# میں شرمندہ ہوں

نبیلہ عزیز

نبیلہ عزیز

# میں شرمندہ ہوں

مکمل ناول

ایس پی قاسم علی اس وقت اپنی تمام پولیس فورس کے ساتھ اپنے ایک اہم کیس کے آپریشن کے لیے بالکل تیار کھڑا تھا اور تمام پولیس فورس مستعد کھڑی اس کے ایک اشارے کی منتظر تھی۔۔۔ یہ کسی مجرم کا بنگلہ تھا، یہاں پہ بہت سے غیر قانونی کاموں کی سرگرمیاں دیکھنے میں آئی تھیں۔ ایس پی قاسم علی بہت دنوں سے اس کیس پہ کام کر رہا تھا۔ تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد اسے پتا چلا کہ وہ شخص ان دنوں ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ اگر وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے بنگلے پر چڑھائی کرتا تو یقیناً" وہ بڑی آسانی اور بڑی صفائی سے بچ نکلتا، بلکہ ہو سکتا تھا کہ دوبارہ وطن واپس ہی نہ آتا اس لیے اس نے کچھ عرصہ خاموشی سے اس کی واپسی کا انتظار کیا تھا اور اس انتظار کا صلہ یہ ملا کہ وہ پچھلے تین روز سے وطن واپس آیا ہوا تھا اور آج خوش قسمتی سے اپنے بنگلے پہ موجود تھا۔

ایس پی قاسم علی کے خفیہ ذرائع کے مطابق اس وقت اس مجرم کا رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کا سو فیصد یقین تھا، سو اس نے آج رات چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس وقت اپنے منصوبے کے مطابق وہ اس

بنگلے کو چاروں طرف سے گھیر چکے تھے۔ کیونکہ دوسری طرف سے بھی جوابی کارروائی کے پورے پورے امکانات تھے' اس لیے ایس پی قاسم علی نے ہر طرف سے اطمینان کرنے کے لیے اس بنگلے کا خود چاروں اطراف سے جائزہ لینا چاہا تھا اور اس کے لیے وہ خود موبائل جیپ سے اتر آیا تھا۔۔۔!

"سر! میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔۔۔" ایس ایچ او عرفان اعظم بھی جیپ سے اتر آیا تھا۔

"لیکن۔۔۔!" ایس پی قاسم علی نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن عرفان اعظم نے تھوڑی بہت بے تکلفی ہونے کی وجہ سے اس کی بات درمیان میں ہی روک دی تھی۔

"سر! ہمارے لیے یہ آپریشن ہی اہم نہیں ہے' ہمارے لیے تو آپ کی زندگی بھی اہم ہے۔" ایس ایچ او عرفان اعظم نے احتراماً کہا تھا۔

"نہیں! میری زندگی اتنی اہم نہیں ہے' جتنی میری نظر میں اس آپریشن کی اہمیت ہے' کیونکہ اس آپریشن سے کئی اور زندگیاں بھی جڑی ہوئی ہیں' جنہیں اس آپریشن کے بعد کھل کر جینے اور سانس لینے کی نوید ملے گی۔" قاسم علی جیسا آفیسر عرفان اعظم نے اپنے اتنے سالوں کی سروس میں آج تک نہیں دیکھا تھا' نڈر بھی اور عاجز بھی' پتھر جیسا سخت اور ریشم جیسا نرم' کسی کے حق کے لیے ڈٹ جانے والا' انصاف پسند اور اصول پرست' بات اصول کی ہوتی تو رعایت ذرا بھی نہیں دیتا اور جسے رعایت دیتا تھا' اسے حیرت میں ڈال دیتا تھا۔۔۔ اس کی شخصیت بہت گمبھیر تھی۔۔۔!

ایس پی قاسم علی اور ایس ایچ او عرفان اعظم دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے بنگلے کی دائیں طرف سے جائزہ لیتے ہوئے پیچھے کی طرف آ گئے تھے۔ اس بنگلے کی چاروں اطراف پہ سڑک تھی۔ یہ بنگلہ رہائشی علاقے کے سب سے آخری سرے پہ تھا اسی لیے وہ لوگ آسانی سے اپنی کارروائی مکمل کر رہے تھے حالانکہ انہیں آس پاس رہائش پذیر شہریوں کے آرام کا بھی بہت خیال رکھنا پڑ رہا تھا اور اسی خیال کی وجہ سے حد سے زیادہ احتیاط کی جا رہی تھی۔ وہ اس بنگلے کی ترین چار دیواری کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے با طرف بڑھ رہے تھے جب ان دونوں کو کسی کے بھا قدموں کی آواز سنائی دی تھی' وہ دونوں ہی ایک دم ہو گئے۔ دونوں نے اپنے اپنے پستول بھی سامنے لیے تھے۔۔۔

"یہ بھاگنے کی آواز کس طرف سے آ رہی ہے۔۔۔؟" ایس ایچ او عرفان اعظم اس قدر سنگین ا خطرناک صورت حال کی وجہ سے تھوڑا گھبرا گیا تھا لیکن ایس پی قاسم علی پورے اعتماد سے ہر طرح صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔

"آواز بائیں طرف سے آ رہی ہے۔" اس آواز کی سمت کھوجی۔

اور ساتھ ہی قدم آگے بڑھا لیے۔ اس سے کہ وہ اس آواز کی سمت جھانک کے دیکھتا کوئی سڑک سے مڑتے ہوئے دھڑام سے اسی کے ساتھ ٹکرایا تھا۔

ایس پی قاسم علی نے اس افتاد پہ بمشکل ا قدموں کو غیر متوازن ہونے سے روکا تھا ورنہ یقیناً بھی زمین بوس ہو چکا تھا۔

"کک۔۔۔ کون۔۔۔؟" دہشت زدہ سی نسوانی آواز دی تو پتا چلا کہ مقابل ایک نسوانی پیکر ہے' جس کا اس کے فولادی جسم سے ٹکرانے کے بعد چکرا گیا

"کک۔ کون ہو تم؟" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز دوبارہ پوچھا تھا لیکن مزید قدموں کے بھاگنے کی آواز کر ایس پی قاسم علی نے اس کے منہ پہ اپنی مضبو ہتھیلی جما کر اس کی آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا' جس پہ ا لڑکی نے احتجاج کرنا چاہا تھا مگر وہ اپنا پستول اس کی کن پہ ٹکا کر اس کے سارے احتجاج ختم کر چکا تھا۔

"تم جو بھی ہو' خاموش رہو' یہاں اس وقت تمہاری ذرا سی آواز بھی قیامت برپا کر سکتی ہے۔" ایس پی قاسم علی کی سرگوشی نما آواز اس لڑکی کے کان

مد قریب سنائی دی تھی کیونکہ اس نے اس قریباً" اپنے بازو کے حصار میں جکڑا ہوا تھا۔

'چھے کی طرف کافی اندھیرا تھا' اس لیے وہ ایک دوسرے کو صاف اور واضح نہیں دیکھ سکتے اس لڑکی کا کندھا ایس پی قاسم علی کے سینے سے را تھا۔۔۔ اور وہ کنپٹی پہ پستول ہونے کی وجہ سے نا بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

'ایس ایچ او عرفان اعظم!" اس نے گردن ترچھی کے پکارا۔

"یس سر۔۔۔؟" دوسری طرف سے مستعد سی آواز ائی دی۔

"اس لڑکی کے پیچھے آنے والوں کو اریسٹ کرو' ن سنو! آواز نہیں آنی چاہیے۔" اس نے حکم دیا ہ، لڑکی اس کی بات اور انداز سے ہی سمجھ گئی تھی کہ ئی اور نہیں' بلکہ پولیس آفیسر ہے' اسی لیے اسے را تحفظ کا احساس ہوا تھا' لیکن دوسرے ہی پل اسے

ل ایسے پولیس آفیسر بھی یاد آ گئے تھے جن کے موں سے اکثر اخبارات کے صفحات سیاہ نظر آتے ے' سو وہ پھر سے خوف زدہ ہو گئی۔

"او کے سر۔۔۔!" عرفان اعظم کہہ کر ایک طرف گیا تھا اور اگلے پانچ منٹ میں اس نے تین لوگوں کو ار کر لیا تھا جو اس لڑکی کا پیچھا کر رہے تھے۔

"ان کو جیپ میں بٹھاؤ۔۔۔" اس نے مزید ہدایات اری کیں۔

"او کے سر۔۔۔" ایس ایچ او عرفان اعظم اس کے ہر م کی تعمیل کر رہا تھا کیونکہ یہی اس کی ڈیوٹی تھی۔

"ان تینوں کو حوالات میں بند کرو' اور ان کو میرے نے تک میرے روم میں بٹھاؤ۔۔۔" اس نے اس ی کی سمت اشارہ کیا تھا۔ اس لڑکی نے کچھ حرکت نے کی کوشش کی تھی' لیکن ایس پی قاسم علی نے کی کنپٹی پہ پستول سے تھوڑا دباؤ ڈالا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ عزت سے پیش آ رہا ہوں کہ کو حوالات میں بند نہ کیا جائے' اس لیے آپ بھی عزت داروں جیسا مظاہرہ کیجیے گا اور خاموشی سے بیٹھ کر کوئی بھی واویلا کیے بغیر میری واپسی کا انتظار کیجیے۔"

ایس پی قاسم علی کو اس لڑکی کی حرکات و سکنات دیکھ کر ہی احساس ہو چکا تھا کہ وہ کافی جذباتی اور جلد باز سی ہے اور کچھ بے خوف بھی۔۔۔ اس لڑکی نے سر اٹھا کر ایس پی قاسم علی کو دیکھنا چاہا تھا لیکن اندھیرے کی بدولت دیکھ نہیں پائی تھی۔ وہ اسے اپنے پستول کی زد اور اپنے بازو کے حصار سے آزاد کر چکا تھا۔

"لے جائیے انہیں اور دھیان رہے یہ خاتون ہیں۔" اس نے اس کی ذمہ داری ایس ایچ او عرفان اعظم کو سونپی تھی۔

"او کے سر۔۔۔" اس نے مؤدب سے انداز میں سر ہلایا تھا۔

اور جیسے ہی اس لڑکی کو جیپ میں بٹھانے کے بعد جیپ اسٹارٹ کی گئی تھی وہ بھی پلٹ کر دوبارہ اس بنگلے کی طرف آ گیا تھا۔

"سر! آپ نے ایس ایچ او عرفان اعظم کو کیوں بھیج دیا۔۔۔؟" ڈی ایس پی اظہار خان بھی قریب آگئے تھے۔

"جیپ میں ایک لڑکی تھی اور اس وقت کسی بھی لڑکی کا یہاں رکنا مناسب نہیں تھا۔ کچھ ہی دیر میں یہاں کوئی بھی ہنگامہ ہو سکتا ہے اور اس ہنگامے کے بعد میڈیا والوں کی تیز دھار آنکھیں اور زبانیں کھل جائیں گی۔ وہ کس وقت کس کو اپنی لپیٹ میں لے لیں کچھ پتا نہیں چلتا اس لیے میں نے اس لڑکی کو پولیس اسٹیشن بھیج دیا ہے۔"

اور اگلے سات منٹ میں واقعی ایسا ہنگامہ برپا ہوا کہ پورا علاقہ فائرنگ کی گونج سے لرز اٹھا تھا۔ دونوں طرف سے ہار نہیں مانی جا رہی تھی اسی لیے یہ آپریشن بہت طویل دورانیے پہ محیط ہو گیا تھا لیکن آخر کار کامیابی ایس پی قاسم علی کا ہی مقدر ٹھہری تھی۔۔۔!

☆ ☆ ☆

پولیس اسٹیشن میں ایک کھلبلی سی مچی ہوئی تھی ہر طرف بھاگ دوڑ اور افرا تفری کا سا عالم تھا۔ پولیس، مجرم اور میڈیا ایک ہی جگہ پہ موجود جیسے محفل لگائے ہوئے تھے اور وہ اندر بیٹھی باہر کی صورت حال اندازے سے نوٹ کر رہی تھی۔ اسے یہاں بیٹھے ہوئے تین گھنٹے ہو چکے تھے، لیکن جس نے اسے اپنی واپسی تک انتظار کرنے کا کہا تھا اس کا فی الحال دور دور تک کوئی اتا پتا ہی نہیں تھا اور باہر جو ہنگامے ہو رہے تھے ان کو دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ اگلے تین گھنٹے بھی اس کی آمد کا کوئی امکان ہو گا، وہ بیٹھے بیٹھے اکتانے لگی تھی اس کی پیشانی پہ سلوٹیں نمودار ہو چکی تھیں۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر بھاگ جائے، لیکن یہ بھی سچ تھا کہ یہاں سے بھاگنا بھی آسان نہیں تھا کیونکہ پہلے تو اس کا پیچھا تین آدمیوں نے کیا تھا لیکن اب اس کا پیچھا نہیں آتو بھی کر سکتے تھے اور دوسرا خدشہ یہ بھی تھا کہ اگر وہ اس کمرے سے باہر نکلتی تو یقیناً "میڈیا والے اسے گھیر لیتے اور پوچھ گچھ۔۔۔ شروع کر دیتے کہ وہ کون ہے۔۔۔؟ کہاں سے آئی ہے؟ اور یہاں کس سلسلے میں موجود ہے۔۔۔؟ کیا چکر تھا۔۔۔؟ کیا معاملہ تھا آخر۔۔۔

میڈیا والوں کے انہی متوقع سوالوں کا سوچ کر اس نے اپنے اٹھنے کا اور باہر نکلنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور وہ یہاں سے اس آفیسر کا انتظار شروع کر دیا جس کو اس نے اندھیرے کے باعث ٹھیک طرح دیکھا بھی نہیں تھا

"دادا صاحب۔۔۔! میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ پریشان نہ ہوں میں بس تھوڑی دیر تک گھر آ رہا ہوں۔" ایس پی قاسم علی موبائل فون پہ کسی سے بات کرتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی جبکہ فون پہ مصروف ایس پی قاسم علی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ دوبارہ بیٹھ گئی تھی اور ایس پی قاسم علی اپنی وسیع و عریض ٹیبل کی طرف سے گھوم کر اپنی کرسی کی سمت آیا اور اس کے بالکل مقابل بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں اپنے سامنے بیٹھے ایس پی قاسم علی کے چہرے پہ الجھ رہی تھیں۔

"دادا صاحب! میں کہہ رہا ہوں نا میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ فکر نہ کریں، بس تھوڑی دیر کی بات ہے میں آ رہا ہوں نماز ایک ساتھ ہی پڑھیں گے۔" وہ اپنی مضبوط کلائی پہ بندھی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے فون پہ اپنے مخاطب کو تسلی دے رہا تھا۔ وہ یونیفارم میں ملبوس شاندار شخصیت کے حامل ایس پی قاسم علی کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ اس نے کیپ بھی پہنی ہوئی تھی اس لیے پہچاننے میں تھوڑی دقت ہو رہی تھی۔

"جی اللہ حافظ۔۔۔!" اس نے مختصر سا کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ گہری سانس کھینچتے ہوئے موبائل فون ٹیبل پہ ڈالا اور پھر اپنی کیپ بھی اتار کر سائیڈ پہ رکھ دی

"السلام علیکم۔۔۔!" ایس پی قاسم علی کو بھی یاد آیا کہ اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے سلام نہیں کیا۔

"وعلیکم السلام۔" وہ بمشکل اپنے ہونٹوں کو جنبش دے پائی تھی۔

"جی خاتون! کہیے کیا مسئلہ ہے آپ کا۔۔۔؟ کون لوگ تھے وہ جو آپ کا پیچھا کر رہے تھے۔۔۔؟" ایس پی قاسم علی کہتے ہوئے اس کی سمت متوجہ ہوا تھا اور پھر منجمد ہو کے رہ گیا۔ اس کی ایک سرسری نظر نے دس سالوں کا عرصہ دس سیکنڈ میں طے کیا تھا۔ وہ پہچان جو اس کے لیے مشکل ہو رہی تھی وہ ایس پی قاسم علی کے لیے یوں آسان ثابت ہوئی تھی جیسے ابھی دس گھنٹے پہلے کی بات ہو۔۔۔!

"آپ کا نام۔۔۔؟" اس نے اپنے یقین پہ تصدیق کی مہر چاہی تھی۔

"زرنگاہ نواز۔۔۔!" اس نے یقین کے تابوت پہ اپنے نام کی آخری کیل ٹھونک دی۔ ایس پی قاسم علی نے یکدم اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں زور سے بھینچتے ہوئے لب بھی بھینچ لیے تھے اور ساتھ ہی اپنا سر بھی جھکا لیا تھا تاکہ اس کے چہرے کے تاثرات نہ دکھائی دے سکیں۔

"ایس پی صاحب! آپ خاموش کیوں ہو گئے؟" ۔۔۔ وہ الجھ کر بولی۔ اس کے سوال پہ ایس پی قاسم علی نے فوراً سر اٹھا کر براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ اس کی لال سرخ انگارہ سی دہکتی آنکھیں دیکھ کر اندر ہی اندر دہل گئی تھی، جب ہی نظر چرانے کے لیے چہرہ جھکا لیا تھا۔ وہ اس کے غصے پہ حیران بھی تھی۔

"آپ جانتی ہیں میں کون ہوں۔۔۔؟" وہ بڑے دھڑلے سے بول رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔" اس نے جواباً نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"مولوی امام دین کا پوتا ہوں میں "ایس پی قاسم علی"۔" اس نے اپنا تعارف نہیں کروایا تھا بلکہ زرنگاہ کے سر پہ ایک ہیوی ویٹ بم بلاسٹ کیا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر ایس پی قاسم علی کی سمت پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا تھا۔۔۔

"ایس پی قاسم علی۔۔۔؟ مولوی امام دین کا پوتا۔۔۔؟"

وہ ششدر سی اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔ اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا، زبان گنگ ہو چکی تھی، وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ وقت کا پہیہ گھوم کے کہاں سے کہاں آن ٹھہرا تھا۔۔۔!

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے نواز! تم کچھ پریشان لگتے ہو۔۔۔؟" ملک نواز احمد اپنے ڈیرے پہ بیٹھے خاموشی سے کسی سوچ میں گم سگریٹ پی رہے تھے، جب ان کے اباجی اور بڑے بھائی ملک امتیاز احمد بھی وہیں چلے آئے تھے۔

"کچھ نہیں۔۔۔" ملک نواز احمد سگریٹ بجھا کر سیدھے ہو بیٹھے۔

"تمہاری پریشانی تمہارے چہرے سے صاف نظر آ رہی ہے اور تم کہتے ہو کہ کچھ نہیں۔۔۔؟" ملک امتیاز احمد نے ان کے برابر سرخ رنگ کے پایوں والی چارپائی پہ بیٹھتے ہوئے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔ ان کے اباجی ملک خورشید احمد دوسری چارپائی پہ بیٹھ چکے تھے اور ڈیرے پہ کام کرنے والے ملازم نے فوراً ان کے سامنے تازہ تیار کیا گیا حقہ لا رکھا تھا، حقہ ان کا شوق اور ان کے ڈیرے کی پہچان تھی۔

"میری پریشانی آپ لوگ نہیں سمجھیں گے۔۔۔" ملک نواز احمد نے نفی میں سر ہلایا۔

"ارے بابا! سمجھاؤ گے تو سمجھیں گے نا۔۔۔؟" ملک امتیاز احمد اصرار کر رہے تھے۔ انہیں بولنے پہ اکسا رہے تھے۔

"بھائی صاحب! میں زرنگاہ کی وجہ سے پریشان ہوں، وہ آج پھر دوسری مرتبہ میٹرک میں فیل ہوئی ہے۔ آخر کیا بنے گا اس کا۔۔۔؟" ملک نواز احمد اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے حد درجہ پریشان ہو رہے تھے۔ انہیں اس کی تعلیم کی فکر تھی کیونکہ وہ تعلیم سے کوسوں دور بھاگتی تھی، اسے پڑھائی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسی عدم دلچسپی کی وجہ سے وہ دو مرتبہ میٹرک میں فیل ہونے کی سند حاصل کر چکی تھی۔

"بس! اتنی سی بات کے لیے پریشان ہو۔۔۔؟"

ملک امتیاز احمد نے جیسے مذاق اڑایا تھا۔

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے' کوئی ویلیو نہیں ہے تعلیم کے بغیر اور وہ تعلیم کی طرف دھیان ہی نہیں دے رہی' وہ اس ویلیو کو سمجھ ہی نہیں پا رہی۔"

ملک نواز احمد خود پڑھے لکھے آدمی تھے اس لیے اپنی بیٹی کو بھی پڑھا لکھا اور باشعور دیکھنے کا شوق تھا۔

"نواز احمد! میٹرک تک تو پہنچ ہی گئی ہے نا؟ چاہے فیل ہوئی ہے' چاہے پاس۔ تم سمجھو کہ اس نے میٹرک کر لیا ہے اور بچیوں کے لیے میٹرک ہی کافی ہوتا ہے۔ زیادہ اسکول اور کالجوں کے جھنجھٹ پالنے کی بھلا ضرورت ہی کیا ہے...؟ اس نے کون سا کہیں نوکریاں کرنی ہیں...؟ شادی کے بعد بچے ہی پالنے ہیں نا۔"

ملک امتیاز احمد نے برے سے بات ہی ختم کر ڈالی تھی لیکن ان کو اس بات سے اختلاف تھا۔ "تعلیم صرف نوکریاں کرنے کے لیے ہی حاصل نہیں کی جاتی، تعلیم کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں جن کو آپ یقیناً نہیں جانتے اور نہ ہی سمجھتے ہیں۔ زرنگاہ میری اکلوتی بیٹی ہے' میری اکلوتی وارث۔ میرے بعد میرا سب کچھ اسی کا ہے' اسی نے سنبھالنا ہے اور اگر وہی نہ پڑھ رہی تو کیا کر پائے گی بھلا...؟ کیسے سنبھالے گی سب کچھ...؟ اپنا اچھا برا ابھی نہیں سمجھ سکے گی... اور میں یہ نہیں چاہتا۔ میں اسے سمجھ بوجھ دینا چاہتا ہوں' کیونکہ وہ اتنی نادان اور من موجی سی ہے کہ اسے جو بھی کہا جائے' وہ بنا سوچے سمجھے کر گزرتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ کچھ سمجھ دار ہو جائے..."

ملک نواز احمد کی سوچ نے جہاں ملک امتیاز احمد کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجائی تھی' وہیں ملک خورشید احمد کو متفق ہونے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"ہوں! ٹھیک کہتے ہو تم' زمانہ بہت چالاک ہے اور چالاک کے ساتھ چالاک ہو کر ہی چلنا پڑتا ہے' ورنہ انسان مات کھا جاتا ہے۔" اباجی نے سراہتے ہوئے اتفاق کیا تھا۔

"لیکن اباجی! مجھے اس مسئلے کا کوئی حل نہیں مل رہا۔" وہ متفکر سے تھے۔

"کیسا حل ڈھونڈ رہے ہو؟ اس کی استانیاں کیا کہتی ہیں؟" وہ حقہ گڑگڑاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"وہ کہتی ہیں کہ اسے پڑھائی میں کسی کی مدد کی ضرورت ہے' جو اسے سمجھا بجھا کر پڑھنے پہ آمادہ کرے اور اچھے طریقے سے پڑھائے' مطلب کہ اسے ٹیوشن کی ضرورت ہے۔"

"تو ٹھیک ہے نا' کسی سے کہہ دو! روزانہ اسے ٹیوشن پڑھا دیا کرے۔" وہ لاپروائی سے بولے۔

"لیکن کس سے کہوں؟ یہاں اتنا پڑھا لکھا ہے کون؟ اور اگر کوئی ہے بھی تو کسی پہ بھروسہ کرنا آسان بھی نہیں ہے' جوان بیٹی کا معاملہ ہے آخر..." ملک نواز احمد کو ہر طرح کی فکریں گھیرے ہوئے تھیں۔

"السلام علیکم ملک صاحب!" مولوی امام دین کی آواز پہ وہ تینوں ہی چونک گئے۔ مولوی صاحب کو دیکھ کر ملک نواز احمد احتراماً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"وعلیکم السلام مولوی صاحب! آیئے تشریف رکھیے۔" انہوں نے مولوی صاحب کو اپنی جگہ پیش کی تھی۔

"جزاک اللہ! آپ بیٹھیے ملک صاحب! میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔" مولوی صاحب نے ملک خورشید احمد کے مقابل والی چارپائی پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کہیے مولوی صاحب! کیسے آنا ہوا...؟" اباجی ان سے خود پوچھ رہے تھے۔

"ملک صاحب! مسجد سے نماز پڑھا کر نکل رہا تھا کہ آپ کی حویلی کی ملازمہ بہو بیگم کا پیغام لے کر آ گئی۔ آج جمعرات ہے شاید دعا کروانا ہے انہوں نے اپنے ماں باپ کے ایصال ثواب کے لیے۔" مولوی صاحب نے اپنی آمد کی وجہ بتائی۔

"ہاں ہاں! آفاق نے آج صبح ہی قرآن پاک ختم کیا ہے... آپ جائیے' حویلی کے اندر چلے جائیے۔" ملک امتیاز احمد بیوی کا ذکر آتے ہی فوراً سنبھل اٹھے۔

"جی! میں نے سوچا' پہلے آپ سے اجازت

لوں۔" مولوی صاحب آہستگی سے بولے۔

"ارے مولوی صاحب! اس میں اجازت کہاں سے آگئی۔ آپ ہمارے بزرگ ہیں' ہمارے استاد ہیں بلکہ ہمارے بچوں کے بھی استاد ہیں۔ آپ کے لیے حویلی کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں۔" ملک امتیاز احمد نے کافی احترام اور — خوش دلی سے کہا۔

"اللہ آپ کو زندگی دے' ہدایت دے' سیدھی راہ پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔" وہ بھی جواباً" انہیں دعا دیتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"رکیے مولوی صاحب!" ابا جی کی آواز پہ مولوی صاحب کے قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے اور ان دونوں بھائیوں نے بھی چونک کر دیکھا تھا۔

"جی حکم ملک صاحب!"

"بیٹھیے۔۔۔" انہوں نے ان کو دوبارہ بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"جی۔" وہ سرہلا کر بیٹھ گئے۔

"آپ کا ایک پوتا بھی ہے نا۔۔۔؟ غلام علی کا بیٹا؟"

"جی' جی! ماشاء اللہ جوان ہو چکا ہے اب تو۔۔۔" مولوی صاحب نے خوشی خوشی بتایا۔

"سنا تھا شہر میں پڑھ رہا ہے وہ۔۔۔؟" وہ حقے کا کش لیتے ہوئے دھواں خارج کرتے ہوئے بولے۔

"جی! پڑھ رہا ہے ابھی۔"

"آج کل کہاں ہے۔۔۔؟"

"گھر پہ ہی ہوتا ہے' اس نے کہاں جانا ہے بھلا؟ یونیورسٹی کے بعد شام تک گھر واپس آجاتا ہے۔"

"اچھا! اتنا لمبا سفر طے کر کے آجاتا ہے روزانہ؟" انہیں حیرت ہوئی تھی۔

"جی ملک صاحب! پہلے ہاسٹل میں ہی رہتا تھا لیکن اب ہاسٹل کا خرچا زیادہ ہو گیا ہے' مجبوری ہے اس لیے واپس آنا پڑتا ہے۔"

"ہوں! یعنی کہ کافی محنتی بچہ ہے۔۔۔" ملک خورشید احمد کے لہجے میں ستائش تھی۔

"محنتی بھی اور صابر و شاکر بھی۔۔۔" مولوی صاحب اپنے پوتے کی تعریف میں بولے تھے۔

"اچھا! نام کیا ہے اس کا۔۔۔؟"

"قاسم علی نام ہے اس کا۔۔۔"

"ہوں تو مولوی صاحب! ہم چاہتے ہیں کہ آپ کا پوتا قاسم علی ہماری پوتی زرنگار کو روزانہ دو گھنٹے ٹیوشن پڑھا دیا کرے' وہ پڑھائی میں ذرا کمزور ہے' اسے کسی پڑھے لکھے اور سمجھ دار بندے کی مدد کی ضرورت ہے' لیکن ہمیں اس معاملے میں کسی پہ بھروسا نہیں ہو رہا' لیکن آپ کی اور آپ کے گھرانے کی عزت اور شرافت دیکھتے ہوئے ہمیں یقین اور بھروسا ہے کہ وہ یہ کام بہتر طور پہ کرے گا اور شکایت کا موقع نہیں دے گا۔"

ملک خورشید احمد نے بیٹھے بیٹھے ملک نواز احمد کا مسئلہ حل کر دیا۔ وہ حیران پریشان سے دیکھتے رہ گئے اور حیران تو مولوی صاحب بھی ہو رہے تھے لیکن زیادہ حیران ہونے کا وقت نہیں تھا۔

"کیا خیال ہے مولوی صاحب۔۔۔؟"

"کک کیوں نہیں ملک صاحب! میں اسے کہہ دوں گا' وہ پڑھا دیا کرے گا آکر۔" انہوں نے فوراً" ہامی بھر لی تھی۔

"ہم پڑھانے کا معاوضہ دیں گے اسے' مفت میں اس کا ٹائم ضائع نہیں ہو گا۔" ملک نواز احمد نے فوراً" اس کے معاوضہ کا اعلان کیا تھا۔

"نہیں ملک صاحب! معاوضے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' آپ کا دیا ہی کھا رہے ہیں' آپ کے بڑے احسان ہیں ہم پہ' مجھے تو اس بات کی خوشی ہو رہی ہے کہ میرا پوتا آپ کے کسی کام آسکے گا۔"

مولوی صاحب کو واقعی خوشی ہو رہی تھی کہ ملک صاحب نے ان کے پوتے کو اس قابل سمجھا ہے کہ اپنی عزت کے معاملے میں بھی اس پہ بھروسا کیا ہے۔

"وہ تو ٹھیک ہے' لیکن جو اس کا حق ہے وہ اسے ضرور ملے گا۔" ملک نواز احمد بہت سمجھ دار اور نرم دل آدمی تھے جبکہ ملک امتیاز احمد ان سے یکسر مختلف تھے' کرخت اور دبدبے والے' وہ بس دوسروں سے اپنا کام نکلواتے تھے اور پلٹ کر خبر نہیں لیتے تھے۔



"مہربانی ہے آپ کی۔۔۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"قاسم علی سے کہیے گا' کل سے آجایا کرے۔۔۔" انہوں نے مولوی صاحب کو تاکید کی۔

"ٹھیک ہے ملک صاحب! جیسے آپ کا حکم' آجائے گا کل۔۔۔" وہ کہہ کر ان سے اجازت لیتے ہوئے رخصت ہوئے تھے۔ ان کا رخ حویلی کی سمت تھا۔ ابا جی اور ملک نواز احمد مسئلہ حل ہو جانے پہ مطمئن اور خوش ہو رہے تھے جبکہ ملک امتیاز احمد خاموش بیٹھے تھے۔

✿ ✿ ✿

"قاسم علی۔۔۔" وہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد قرآن پاک پڑھ کر مسجد کی دیوار میں نصب لکڑی کی الماری میں رکھ رہا تھا جب انہوں نے اسے پکارا۔

"جی دادا صاحب؟" وہ الماری بند کر کے ان کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"بیٹھو!" انہوں نے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

قاسم علی خاموشی سے ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"بیٹا۔۔۔! ملک نواز صاحب کی بیٹی پڑھائی میں تھوڑی کمزور ہے' میٹرک میں دوسری بار فیل ہوئی ہے' وہ اسے ٹیوشن پڑھانا چاہتے ہیں لیکن انہیں کسی پہ بھروسا نہیں ہے' اس لیے انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ تم اسے روزانہ دو گھنٹے جا کر پڑھا دیا کرو اور بیٹا! مجھ سے انکار نہیں ہوا' میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ تم جا کر پڑھا دیا کرو گے۔"

مولوی صاحب نے کہا تو قاسم علی بدک گیا۔ کسی لڑکی کو پڑھانا اور وہ بھی اس کے گھر جا کر۔۔۔ یہ روگ قاسم علی کے بس کا نہیں تھا' اس کی گردن خود بخود نفی میں ہلنے لگی۔

"دادا صاحب! آپ کو پتا ہے میں یونیورسٹی سے کتنا لیٹ واپس آتا ہوں؟" اس نے بہانہ ڈھونڈا۔

"تم بے شک لیٹ ہی جا کر پڑھا دیا کرنا مگر بیٹا! انکار مت کرنا' میں نے ہامی بھر لی ہے' زبان دی ہے انہیں۔"

مولوی صاحب متفکر ہو رہے تھے کیونکہ انہیں خود بھی احساس تھا کہ اس کے دن بھر کی کتنی ٹف روٹین ہوتی ہے۔۔۔ صبح سویرے شہر جانے کے لیے گھر سے نکلتا تھا اور شام ڈھلے واپس لوٹتا تھا۔ ایسی تھکان کے ہوتے ہوئے کسی کے گھر جا کر اسے پڑھانا آسان کام نہیں تھا آخر۔۔۔ لیکن اپنے دادا صاحب کی زبان کا پاس رکھنے کے لیے قاسم علی کو ہامی بھرنا ہی پڑی تھی۔

وہ بے ساختہ خوش ہو گئے تھے اور قاسم علی کا کندھا تھپکتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دی تھی۔ وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر مسجد سے نکل آیا کیونکہ اسے یونیورسٹی جانے کے لیے گھر سے نکلنا تھا اس لیے اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی جہاں دادی صاحبہ یقیناً" اس کا ناشتا تیار کیے اس کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

✿ ✿ ✿

چن ہجناں دے نیڑے نیڑے ہو
ڈھول جانیاں دے نیڑے نیڑے ہو
کہندیاں نے بانہواں میتھوں دور نہ
کھلو

چن ہجناں دے نیڑے نیڑے ہو۔۔۔

نور جہاں کی خوب صورت اور کھنک دار آواز فل والیوم میں گونج رہی تھی اور وہ جھوم رہی تھی۔ یہ گانا اس کا پسندیدہ گانا تھا اور وہ جب بھی یہ گانا سنتی تھی' والیوم فل چھوڑ دیتی تھی۔ اس وقت بھی یہی حال تھا۔ قاسم علی کے قدم سیڑھیوں پہ ہی تھم گئے۔ وہ اس کو پڑھانے کے لیے کافی دیر سے نیچے حویلی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا اور وہ تھی کہ ڈرائنگ روم میں آہی نہ رہی تھی۔ مجبوراً" قاسم علی نے ملازمہ کے ہاتھ پیغام بھجوایا تھا تب جواباً" آرڈر ملا کہ وہ حویلی کی چھت پہ ہی آجائے۔ اس کا خود نیچے آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس لیے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اسے ہی آنا پڑا تھا لیکن وہ ایسے رسیلے اور مستی بھرے گانے کو سن کر

آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔

"قاسم علی! تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ اوپر جاؤ ناں، نگاوی بی بی تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی۔" کلو اسے دیکھ کر اس کے پیچھے آگئی تھی۔

"ہوں! جا رہا ہوں۔" وہ سر جھٹک کر اوپر جانے کے لیے آمادہ ہوا۔

"آجاؤ! میں بھی ساتھ ہوں۔" کلو کہتی ہوئی باقی کی دو سیڑھیاں بھی طے کر گئی۔

شام کے سائے ڈھل رہے تھے اور ہلکی ہلکی ہوا چہرے کو چھوتی ہوئی اپنا آپ محسوس کروا رہی تھی، حویلی کی بے حد وسیع و عریض چھت بالکل خالی تھی، حویلی کے پچھلے حصے والی دیوار پہ بازو ٹکائے کوئی لڑکی کھڑی تھی۔ اس کے شولڈر کٹ بال ہوا سے اڑ رہے تھے اور یہی حال اس کے دوپٹے کا تھا جسے اس نے محض گلے میں ڈال رکھا تھا۔ قاسم علی کی سمت اس کی پشت تھی اس لیے وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا لیکن وہ اس کے مزاج کا اندازہ لگا چکا تھا اور اس کے لیے چہرہ دیکھنا ضروری نہیں تھا۔ وہ اکثر لوگوں کے انداز و اطوار دیکھ کر ہی ان کے مزاج بھانپ لیتا تھا۔

"قاسم علی آیا ہے نگاوی بی بی!" کلو نے قریب جا کر اطلاع دی۔ اپنی مستی میں گم زرنگاہ نے چونکتے ہوئے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ قاسم علی قریب رکھی بید کی ٹیبل اور کرسیوں کے پاس نظر جھکائے ہوئے کھڑا تھا یوں جیسے اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو کسی گناہ کا ارتکاب ہو جائے گا۔ اور زرنگاہ کو وہ پہلی نظر میں ہی کافی پرہیز گار اور زاہد قسم کا بندہ لگا تھا، شریف اور حد درجہ شریف۔۔۔!

"اوہ تو یہ ہے قاسم علی۔۔۔" زرنگاہ نے اسے سر سے پاؤں تک تنقیدی اور جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔ قاسم علی کی نظر جھکی ہوئی تھی لیکن پھر بھی وہ اس کی نظریں خود پہ جمی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔ اسے بہت عجیب بھی لگ رہا تھا۔ وہ دو لڑکیوں کے درمیان مجرم بنا کھڑا تھا حالانکہ وہ دونوں عمر میں اس سے چھوٹی تھیں "ایک مالک تھی اور ایک ملازم لیکن عورت ذات ہونے کے ناتے وہ اسے برابر نظر آرہی تھیں۔

"نگاوی بی بی! ملک صاحب نے پیغام بھیجا ہے کہ قاسم علی آپ کو پڑھانے کے لیے آیا ہے "اس کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔۔۔" کلو نے پیغام پہنچایا تھا۔

"کیسی شکایت۔۔۔؟" اس نے گھور کے کلو کو دیکھا۔

"یہ آپ کو بہتر پتا ہو گا بی بی جی۔" کلو نے اسے جیسے کچھ باور کرایا تھا اور زرنگاہ اس کی بات پہ بے ساختہ مسکرا اٹھی تھی۔

"ٹھیک ہے! انہیں ہو گی شکایت، لیکن اگر مجھے قاسم علی سے شکایت ہوئی تو۔۔۔؟" وہ ایسے بات کر رہی تھی جیسے قاسم علی وہاں موجود ہی نہ ہو۔

"امید ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔" کلو نے سکون سے کہا تھا۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو۔۔۔؟"

"میں یہ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میں نے قاسم علی کی والدہ صاحبہ سے قرآن پاک پڑھا ہے، روز ان کے گھر پڑھنے کے لیے جاتی تھی، روز سامنا ہوتا تھا لیکن کبھی شکایت نہیں ہوئی۔" کلو کے لہجے میں قاسم علی کے لیے ستائش تھی جس پہ زرنگاہ کو خفگی ہوئی تھی۔

"اچھا اچھا! جاؤ اب، پڑھنے دو مجھے۔" اس نے کلو کو جانے کا اشارہ کیا اور وہ سر ہلا کر پلٹ گئی تھی۔

"بیٹھیے۔" اس نے لٹھ مار سے انداز میں کہتے ہوئے خود بھی کرسی سنبھال لی تھی۔ قاسم علی دائیں طرف والی کرسی پہ بیٹھ گیا تھا اس کی نظریں ابھی بھی جھکی ہوئی تھیں۔

"اسے بند ہی رہنے دیجیے۔" قاسم علی ٹیپ ریکارڈر کی سمت بڑھتا اس کا ہاتھ دیکھ کر بے ساختہ بول پڑا۔

"کیوں؟ کیوں بند رہنے دوں؟" وہ گھور کے بولی۔

"آپ گانا سنیں گی یا مجھے سنیں گی۔۔۔؟" قاسم علی نے بے ساختہ کہتے ہوئے خفگی سے اس کی سمت دیکھا تھا اور ڈھلتی شام کے سرمئی عکس میں وہ اسے دیکھ کر



ٹھہر گیا تھا۔ وہ بہت کم سن تھی لیکن اس کی اٹھان بہت غضب کی تھی، وہ اپنی عمر سے بڑی نظر آرہی تھی۔ قاسم علی کو دوبارہ نظر جھکانی پڑ گئی تھی۔

"او کے! آپ کو سن لیتی ہوں۔ سنائیں! کیا کہتے ہیں آپ؟" وہ نجانے کیا سوچ کر کندھے اچکاتے ہوئے متوجہ ہوئی تھی۔

قاسم علی لب بھینچ کے رہ گیا۔

"بولیے ناں قاسم علی صاحب! کیا سنانا چاہتے ہیں آپ؟" وہ اسے زچ کرنے پہ اتر آئی تھی لیکن قاسم علی بھی اتنی جلدی برداشت کا دامن چھوڑنے والا نہیں تھا۔

"آپ کی کتابیں کہاں ہیں؟" اس نے مطلب کی بات نکالی۔

"آپ کے سامنے۔۔۔" زرنگاہ نے ٹیبل کی سمت اشارہ کیا، ٹیپ ریکارڈر کے ساتھ ہی کتابیں بھی رکھی تھیں۔

"کون سا سبجیکٹ مشکل ہے آپ کے لیے؟" وہ اس کی ساری کتابیں اپنے سامنے کر چکا تھا۔

"میرے لیے تو سارے ہی مشکل ہیں۔" اس نے سرے سے بات ہی ختم کر دی تھی۔

"کس کس کی سپلی آئی ہے؟" وہ کافی تحمل سے پوچھ رہا تھا۔

"ہیر رانجھا، لیلیٰ مجنوں، سسی پنوں، رومیو جولیٹ ان سب کی سپلی آئی ہے تب ہی تو بے چارے سب کے سب فیل ہو گئے، میری طرح۔" اس نے بات کو مذاق میں اڑایا تھا۔

"دیکھیے زرنگاہ بی بی! میں یہاں عشق و محبت کا درس دینے نہیں آیا جو ہیر رانجھا، لیلیٰ مجنوں اور سسی پنوں کی سپلی کا پوچھوں گا، میں یہاں آپ کو پڑھانے کے لیے آیا ہوں، آپ سے آپ کے تمام سبجیکٹ کا پوچھ رہا ہوں، کس کس سبجیکٹ کی سپلی آئی ہے۔۔۔؟ پلیز ٹیل می۔" اس نے ذرا لہجہ بدل کر بات کی تھی اور زرنگاہ مسکرانے لگی۔

"آپ مجھے پڑھانے کے لیے آئے ہیں تو سمجھیں کہ آپ پڑھا چکے مجھے۔" اس نے ہاتھ جھاڑے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ چونکا تھا۔

"مطلب مجھے پڑھنا نہیں ہے۔"

"کیوں؟ آپ کو کیوں نہیں پڑھنا؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"کیونکہ مجھے پڑھنے کا کوئی شوق نہیں ہے اگر شوق ہوتا تو میں اسکول میں ہی پڑھ لیتی ٹیوشن کی بھلا کیا ضرورت تھی؟" اس نے کندھے اچکائے۔

"لیکن کچھ کام بغیر شوق کے نہ چاہتے ہوئے بھی کرنے پڑتے ہیں۔" قاسم علی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"لیکن کیوں؟ کیوں کرنے پڑتے ہیں؟"

"کیونکہ کچھ کام ہمیں دوسروں کے لیے کرنے ہوتے ہیں۔ جیسے مجھے دیکھ لیں میں بھی پڑھنا نہیں چاہتا تھا بلکہ کام کرنا چاہتا تھا کوئی کاروبار سیٹ کرنا چاہتا تھا تاکہ اپنے پیروں پہ کھڑا ہو سکتا، لیکن میرے دادا صاحب کو میری پڑھائی کا شوق تھا، وہ چاہتے ہیں کہ میں بہت زیادہ پڑھوں اور کسی اونچے عہدے پہ فائز ہو سکوں، سو مجھے ان کے اس شوق کا احترام کرنا پڑا اور میں اس وقت اپنا ماسٹرز کمپلیٹ کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ اس کے بعد سی ایس ایس کروں گا اور ان کا شوق پورا کروں گا کیونکہ ان کا یہ شوق صرف میں پورا کر سکتا ہوں کوئی اور نہیں۔" قاسم علی نے اسے کافی تفصیل سے سمجھایا۔

"لیکن آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔۔۔؟" وہ اسے تیکھے چتونوں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں آپ کو اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ کے بابا کے شوق بھی صرف آپ پورے کر سکتی ہیں، وہ آپ کو پڑھانا چاہتے ہیں، ان کا شوق ہے یہ۔" وہ سوال کر رہا تھا۔

"قاسم علی صاحب! کسی کا شوق پورا کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا، اپنے آپ کو مارنا پڑتا ہے۔"

"جی ہاں! صحیح کہہ رہی ہیں آپ، کسی کا شوق پورا کرنا اور بات ماننا آسان نہیں ہوتا، اپنا آپ مارنا پڑتا

ہے' جیسے اس وقت میں کر رہا ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

"کیا مطلب؟ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"اپنے آپ کو مار رہا ہوں' کیونکہ میں یہاں آپ کو پڑھانے کے لیے نہیں آنا چاہتا تھا' لیکن ولدا صاحب کی بات مان کر آنا پڑا۔"

اس نے صاف صاف بتا دیا تھا اور زرنگاہ نجانے کیوں پل بھر کے لیے خاموش ہو گئی تھی' پھر بعد میں بھی اس نے زیادہ بات نہیں کی تھی بس بے دلی سے کتابیں کھول کر بیٹھ گئی تھی اور بدل تو قاسم علی بھی ہو چکا تھا اسے ان کلموں میں تل نظر نہیں آ رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

"ولدا صاحب! آپ نے مجھے بڑی مشکل جگہ پہ پھنسا دیا ہے۔" قاسم علی مولوی صاحب سے شکایت کر رہا تھا۔

"کیوں کیا ہوا ہے؟" وہ ٹھٹک گئے۔ قاسم علی پائنتی بیٹھا ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔

"زرنگاہ بی بی کا پڑھائی کی طرف کوئی رجحان نہیں ہے' مجھے تین دن ہو گئے ہیں سر کھپاتے ہوئے' لیکن انہوں نے ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں پڑھا۔ وہ الٹا مجھے کہتی ہیں کہ مت آیا کرو' اب آپ سوچیے! اگر میں انہیں پڑھانے کے لیے نہیں جاتا اور انکار کر دیتا ہوں تو ملک صاحب کیا سوچیں گے.... ہو سکتا ہے کہ انہیں غصہ بھی آئے' لیکن آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟" قاسم علی بے چارا کافی الجھا ہوا تھا۔

"تم تسلی رکھو اور ہمت مت ہارو۔ زرنگاہ بی بی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی ہیں۔ ماں کی وفات کے بعد ملک نواز صاحب نے بہت لاڈ پیار دیا ہے انہیں' اسی لیے وہ اس طرح ضد اور من مانی کرتی رہتی ہیں' لیکن رفتہ رفتہ سمجھ بھی جاتی ہیں۔ میں جب انہیں قرآن پاک کا سبق پڑھانے کے لیے جاتا تھا تو وہ اسی طرح ضد اور انکار کرتی تھیں' لیکن پھر سب بچوں سے پہلے قرآن پاک پڑھ گئیں' لکن کا رجحان نہیں ہے تو نہیں ہے.... اور اگر رجحان ہو گیا تو پھر سب سے زیادہ ہو گا۔ تم اپنی کوشش جاری رکھو اور صبر سے کام لو۔" وہ اسے ہر طرح سے تسلی دے رہے تھے۔

"لیکن ولدا صاحب! اس وقت وہ چھوٹی تھیں اور کسی طرف رجحان نہیں تھا' لیکن اب وہ بڑی ہو چکی ہیں' سو طرف رجحان ہے ان کا "گانے سننا" ٹی وی دیکھنا' رسالے پڑھنا' فیشن کے مطابق لباس پہننا اور خیالی دنیا بسانا اور ان چیزوں کے ہوتے ہوئے میرا نہیں خیال کہ وہ پڑھائی کی طرف توجہ دیں گی۔"

قاسم علی کے ذہن میں ابھی تک اس روز والا گانا "چن بجھک ہوے نیڑے ہو۔" گھوم رہا تھا۔

"سنبھل جائیں گی بیٹا! سنبھل جائیں گی۔ تم پریشان نہ ہو اور اب تم بھی آرام کرو' صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے۔" انہوں نے اپنے پاؤں ایک طرف کو کر لیے تھے۔ سو وہ ولدا صاحب کو خدا حافظ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"کوکب.... ارے کوکب.... کہاں مر گئی ہو؟" وہ حویلی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا زرنگاہ کا انتظار کر رہا تھا جب اچانک کوئی آواز دیتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ قاسم علی فوراً" اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم!" اس نے سلام میں پہل کی اور اپنی عادت کے مطابق نظر جھکالی تھیں۔

"وعلیکم السلام.... ! آپ کون ہیں؟" قندیل امتیاز اسے دیکھ کر تھم سی گئی۔

"میں قاسم علی ہوں' مولوی امام دین کا پوتا' زرنگاہ بی بی کو پڑھانے کے لیے آیا ہوں۔" اس نے جھکے ہوئے سر کے ساتھ اپنا تعارف کروایا۔ اس گاؤں کا بچہ بچہ مولوی امام دین کو جانتا تھا اس لیے اپنی پہچان کے لیے قاسم علی کو انہی کا حوالہ دینا پڑتا تھا۔ خود قاسم علی اس گاؤں میں بہت کم ہی رہا تھا اس لیے زیادہ تر لوگ اسے نہیں پہچانتے تھے۔

"مولوی امام دین کا پوتا.... ؟ زرنگاہ کو پڑھانے کے



لیے.... ؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا.... ؟" قندیل نے حیرت سے بڑبڑا کر کہا تھا۔

"ملک صاحب نے خود پڑھانے کے لیے کہا تھا۔" قاسم علی نے اس کی حیرانی دور کرنا چاہی۔

"اچھا! کب سے پڑھا رہے ہیں آپ.... ؟" وہ پوری پوری تفتیش کر رہی تھی۔

"آج آٹھواں دن ہے۔"

"ہوں! تو ان آٹھ دنوں میں اتنا کچھ ہو گیا ہے.... ؟ وہ بھی ہماری غیر موجودگی میں.... ؟"

قندیل کو اور زیادہ حیرت ہوئی تھی' وہ دونوں بہنیں قندیل اور کوکب پچھلے دس بارہ دن سے اپنے ننھیالی گاؤں اپنے ماموں کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ ان کے ماموں زاد کزن کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا اس لیے آج کل وہاں کافی رونق اور جشن کا سماں تھا۔ سب کزنز نے انہیں بھی روک لیا تھا۔ ان لوگوں نے زرنگاہ کو بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا لیکن اسے اپنے گھر پہ اور اپنی موج مستی میں رہنے کی عادت تھی' اس لیے انہوں نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا تھا' مگر پیچھے کیا ہوا تھا' کیا ہو رہا تھا' یہ دونوں بے خبر تھیں۔ سو وہ کل شام کو ہی واپس آئی تھیں۔

"آپ پھر آ گئے قاسم علی صاحب؟" زرنگاہ نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی غصے اور خفگی کا اظہار کیا۔

"یہاں آنا اور آپ کو پڑھانا میری ڈیوٹی' میری ذمہ داری ہے زرنگاہ بی بی! اور میں اپنی ذمہ داری سے ہٹ نہیں سکتا۔" اس کا انداز اور لہجہ ہمیشہ کی طرح پرسکون تھا۔

"لیکن میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ آپ کو یہ ذمہ داری نبھانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا' سب کچھ زیرو کا زیرو رہے گا۔"

زرنگاہ قاسم علی پہ اچھا خاصا رعب جما رہی تھی۔ قندیل کو بڑی حیرت ہوئی تھی اور زرنگاہ کی عقل پہ ماتم کرنے کو دل چاہا تھا۔ وہ شخص جو دل میں سمانے کے قابل تھا' وہ اسے اپنے گھر سے نکال رہی تھی' اور وہ تھا کہ شرافت سے سر جھکائے کھڑا سب سن رہا تھا۔ قندیل فدا نہ ہوتی تو اور کیا کرتی.... ؟ اس شخص میں ادا ہی ایسی تھی کہ قندیل اپنے آپ کو گھائل ہونے سے نہیں روک پائی تھی۔

"زرنگاہ! یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟" ملک نواز احمد کی آواز پہ جہاں قاسم علی اور قندیل چونک گئے تھے' وہیں زرنگاہ بھی سٹپٹا گئی تھی۔

"بابا.... وہ' وہ.... یہ قاسم علی۔" زرنگاہ سے فوری کوئی بات نہیں بن پڑی تھی۔

"قاسم علی تمہارا استاد ہے' تمہارا ملازم نہیں ہے جس پہ تم اس طرح چیخ چلا کر غصہ کر رہی ہو؟ بجائے اس کے کہ تم اس کا احترام کرو' الٹا اس سے بدتمیزی کر رہی ہو.... ؟ یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا.... ؟ میں نے اس سے کہا تھا کہ تمہیں پڑھانے کے لیے آئے اور جب تک میں اسے منع نہیں کروں گا' وہ یہاں آتا رہے گا۔"

ملک نواز احمد کو کبھی غصہ نہیں آیا تھا لیکن بیٹی کی بدتمیزی دیکھ کر وہ ضبط نہیں کر سکے تھے۔ زرنگاہ خاموش ہو گئی۔

"قاسم علی! بیٹھو تم اور تم جاؤ! اپنی کتابیں لے کر آؤ۔" انہوں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ اور زرنگاہ فوراً" جا کر اپنی کتابیں لے آئی۔

قندیل اور ملک نواز احمد وہاں سے جا چکے تھے۔ زرنگاہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ قاسم علی کی غیر ارادی سی نظر اس کی سمت اٹھ گئی۔ وہ رو رہی تھی اور اس کے آنسو اس کی گود میں رکھی کتاب پہ گر رہے تھے۔ اس کا انداز بہت معصوم اور بچکانہ سا تھا' قاسم علی کے ہونٹوں کو اک خفیف سی مسکراہٹ چھو گئی تھی۔ اسے پتا تھا کہ اب اگر اس نے کچھ کہا تو وہ یقیناً" پھٹ پڑے گی' اسی لیے وہ اس کے چپ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ قاسم علی کی خاموشی بھانپ چکی تھی جب ہی اپنے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر پونچھتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھی اور اپنی گود سے کتاب اٹھا کر قاسم علی کی گود میں پٹخ دی۔

"لیں! پڑھائیں مجھے 'آپ ہی مجھے پڑھانے کا میڈل لے لیں۔" وہ غصے سے دانت پیس کر بولی تھی۔ اس کا چہرہ غصے سے اور رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ قاسم علی نے اپنا چہرہ جھکا لیا تھا تاکہ وہ اس کے چہرے کا تبسم سا تاثر نہ دیکھ سکے کیونکہ اگر وہ دیکھ لیتی تو یقیناً" اور بھی تپ اٹھتی۔

"پڑھائیں ناں! اب چپ کیوں بیٹھے ہیں؟" وہ چڑ کر بولی۔ قاسم علی کو بالآخر متوجہ ہونا ہی پڑا تھا۔ آج وہ "اچھی بی بی" بنی بیٹھی تھی۔ قاسم علی نے اسے دو گھنٹے سکون سے پڑھایا۔ ان دو گھنٹوں میں قندیل نے بیس چکر تو ضرور لگائے تھے 'جن کو زرتاشہ نے تو نہیں' البتہ قاسم علی نے کافی گہرائی سے نوٹ کیا تھا اور اسے خطرے کی گھنٹی سنائی دی تھی۔ اس کی پیشانی پہ شکنیں پڑ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"قاسم علی بہت خوب صورت ہے کوکب!" قندیل نے بستر پہ لیٹے ہوئے جیسے آہ بھر کے کہا۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں دکھایا؟" کوکب بہن پہ خفا ہوئی۔

"دکھاتی تو تب 'جب تمہیں کچھ ہوش ہوتا۔ تم تو گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھیں جیسے کبھی رات تو ہوئی ہی نہیں ہے۔" قندیل کو غصہ آیا تھا۔

"بس اتنے دنوں بعد اپنا بستر 'اپنا بیڈ نظر آیا تھا تو نیند بھی آ گئی اور کچھ تھکی ہوئی بھی تھی' اس لیے ہوش ہی نہیں رہا۔" کوکب نے کندھے اچکائے تھے۔

"تم بھی اسے دیکھ لیتیں ناں تو سو ساری نیندیں اڑ جاتیں تمہاری۔"

"اچھا۔۔۔؟ ایسی بھی کیا چیز ہے وہ۔۔۔؟" کوکب نے تجسس سے پوچھا۔

"یار! تم دیکھو گی تب پتا چلے گا 'بہت اچھا لگ رہا تھا گردن جھکی ہوئی تھی 'نظر نیچی تھی' لہجہ گمبھیر تھا' آواز دھیمی تھی' براؤن رنگ کا شلوار سوٹ پہن رکھا تھا' سنہری گندمی رنگت پہ ہلکی ہلکی شیو تھی اور خوب صورت تیکھے عنابی ہونٹ بھینچے ہوئے تھے 'چپ چاپ خاموشی سے تاشہ کی ڈانٹ سن رہا تھا اور میرے تو دل میں اتر رہا تھا۔" قندیل نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پھر آہ بھری تھی۔

"تاشہ کی ڈانٹ سن رہا تھا۔۔۔؟ مگر کیوں۔۔۔؟" کوکب کو حیرت ہوئی تھی۔

"یار۔۔۔ وہ مصیبت ہمیشہ ہمارے لیے مصیبت ہی بنی رہے گی۔ وہ قاسم علی کا آنا پسند نہیں کرتی' اسے نکالنا چاہتی ہے 'منع کرتی ہے اسے۔" قندیل کہتے ہوئے یکدم اٹھ بیٹھی تھی۔

"ہر کام میں اسی محترمہ کی پسند تو نہیں چلے گی ناں؟ اگر قاسم علی تمہیں پسند ہے تو وہ یہاں آتا ہی رہے گا۔" کوکب نے جیسے وعدہ کیا تھا۔

"وہ کیسے۔۔۔؟ وہ تو پڑھنے کا نام ہی نہیں لیتی۔۔۔؟" قندیل نے ناسمجھی سے کہا۔

"لے گی 'ضرور نام لے گی' اس کا دھیان پڑھائی سے ہٹانے والی اگر میں ہوں تو اس کا دھیان پڑھائی کی طرف لگانے والی بھی میں ہی ہوں گی۔" کوکب نے جیسے تجزیہ کار کھڑے کیے تھے۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" قندیل کوکب سے بڑی تھی لیکن اکثر باتیں ایسی کر جاتی تھی کہ اس کے چھوٹے ہونے کا گمان ہوتا تھا اور کوکب بڑی لگتی تھی۔

"مطلب کہ اماں اور ابا نہیں چاہتے تھے کہ تاشہ پڑھے لکھے اور اس کا رجحان تعلیم کی طرف ہو اس لیے میں نے اس کا دھیان پڑھائی سے ہٹا کر ادھر ادھر کی دلچسپیوں میں لگا دیا ہے تاکہ باقی جاہل اور گنوار عورتوں کی طرح ڈنڈے مارتی پھرے 'کوئی کام کرنا بھی ہو تو ہم سب سے پوچھ کر کرے' یہ نہ ہو کہ خود ہی پڑھ لکھ کر سمجھ دار ہو جائے اور ہمارے مقابل آ کھڑی ہو۔ اتنی جائیداد میں آدھا حصہ اس اکیلی کا ہے اور آدھا ہم سب کا۔۔۔ اب تم سوچو! کہ محترمہ کے کتنے ٹھاٹ ہیں آخر۔۔۔ جتنا وہ اکیلی لے گی اتنا ہم سب کو ملے گا۔ وہ اکیلی ہے اور ہم زیادہ 'لیکن حصہ برابر کا۔۔۔ یہ کہاں کا انصاف ہوا بھلا۔۔۔؟ اوپر سے یہ حویلی بھی اسی محترمہ

کے حصے میں ہے اور ہمارے لیے وہ پرانی حویلی۔ ولہ! کیا بٹوارہ کیا ہے دادا جان نے۔ ہونہہ!" کوکب غصے سے سلگ گئی۔

"اوہ! اچھا تو یہ بات ہے۔۔۔؟" قندیل کے ذہن میں یہ زہریلی سوچ اب سمائی تھی ورنہ وہ اس سارے قصے سے قدرے انجان گھوم رہی تھی۔

"ہاں! یہی بات ہے' تم بھی دھیان رکھنا نگاہ بی بی چالاک نہ ہونے پائے' بس ہم پہ انحصار کرتی رہے ویسے اس کی ایک عادت بہت اچھی ہے' ہمارا کہا فوراً مان جاتی ہے' انکار نہیں کرتی۔"

کوکب کہتے کہتے استہزائیہ سے انداز میں مسکرائی تھی۔ قندیل بھی بے ساختہ مسکرا اٹھی۔ اب کوکب اس کے ساتھ تھی اسے بھلا کیا پریشانی تھی' وہ قاسم علی سے کھل کر اظہار کر سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

زرنگاہ کا اسکول گاؤں سے ذرا ہٹ کے اور کافی فاصلے پر تھا اس لیے روزانہ اسے گاڑی ہی پک اینڈ ڈراپ کرنے آتی تھی۔ آج بھی اسے گاڑی ہی پک کرنے آئی تھی لیکن چند قدم پہ آکر گاڑی کا انجن بند ہو گیا۔ ڈرائیور نے گاڑی سے اتر کر چیک کیا تو پریشان ہو گیا تھا کیونکہ انجن بغیر مکینک کے ٹھیک ہونے والا نہیں تھا اور گاڑی میں زرنگاہ بیٹھی ہوئی تھی جسے حویلی چھوڑنا بھی زیادہ ضروری تھا۔

"کیا بات ہے بشیر؟ کیا مسئلہ ہے اب۔۔۔؟" وہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اکتا گئی تھی۔

"بی بی جی! گاڑی کا انجن خراب ہو گیا ہے' مکینک کو بلانا پڑے گا۔" بشیر اس کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔

"تو اب کیا ہو گا۔۔۔؟ میں حویلی کیسے جاؤں گی۔۔۔؟"

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں بی بی جی!" اس نے فکر مندی سے کہا۔

"جلدی سوچو! مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ مجھے گھر جا کر کھانا بھی کھانا ہے۔" وہ بے چینی اور عجلت سے بولی۔

"رکشے پہ چلی جائیں گی۔۔۔؟"

"کیا؟ رکشہ پہ میں جاؤں؟ نو نیور۔" اس نے سختی سے انکار کر دیا۔

"اچھا ٹھہریں! میں کوئی اور بندوبست کرتا ہوں۔" بشیر بے چارا ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ شاید اسے کوئی سواری مل جائے لیکن اسے کوئی سواری تو نہیں البتہ قاسم علی ضرور مل گیا تھا۔ وہ بھی کہیں سے پیدل چلتا ہوا آ رہا تھا۔۔۔ اس کے ہاتھ میں بھی کتابیں تھیں۔

"قاسم علی۔" بشیر کی آواز پہ اپنے دھیان میں چلتے قاسم علی نے چونک کر دیکھا تھا۔

"جی! کیا بات ہے؟" وہ اس کے پاس آکر ٹھہر گیا۔

"گھر کی طرف جا رہے ہو؟"

"جی ہاں! خیریت؟"

"ایک کام کرو گے؟"

"ہوں! کیسے۔۔۔؟"

"وہ دراصل نگاہ بی بی کو اسکول سے لے کر آ رہا تھا کہ راستے میں گاڑی خراب ہو گئی' اب گاڑی ٹھیک ہونے میں تو نجانے کتنا وقت لگے گا' تم ایسا کرو کہ نگاہ بی بی کو حویلی چھوڑ دو۔" بشیر کی بات پہ قاسم علی ٹھٹک گیا تھا۔

"کیا پیدل۔۔۔؟"

"ہاں! وہ پیدل چلی جائیں گی' لیکن رکشے پہ نہیں جا رہیں اور آس پاس تو کوئی گاڑی بھی نہیں ہے۔" بشیر نے وجہ بتائی۔

"لیکن بشیر! میرے ساتھ وہ کیسے۔۔۔؟"

"چلی جائیں گی یار! تم تو ان کے استاد ہو۔ کافی آنا جانا اور واقفیت ہے تمہاری' اسی لیے تو تمہارے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ ملک صاحب کو پتا چلا تو وہ بھی کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔ تم پہ تو انہیں ویسے ہی بہت بھروسا ہے۔"

بشیر اسے تسلی دینے کو کہہ رہا تھا اور قاسم علی چپ سا ہو کے رہ گیا تھا' نہ انکار کر سکتا تھا' نہ اقرار۔۔۔



"تو پھر بلاؤں نگاہ بی بی کو۔۔۔؟" وہ قاسم علی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔؟" قاسم علی "ہوں" کے سوا کچھ نہ کہہ سکا اور بشیر نے آگے بڑھ کے گاڑی کا دروازہ کھول دیا وہ بھی ان کی ساری بات سن چکی تھی۔

"السلام علیکم!" قاسم علی نے ہی سلام کرنے کی زحمت کی تھی وہ تو ویسے آداب سے بے بہرہ تھی۔

"وعلیکم السلام!" اس نے آہستگی سے کہا اور اپنا بیگ کندھے سے لٹکا کے اس کے آگے آگے چل پڑی۔

"جاؤ قاسم علی! کھڑے کیوں ہو؟" بشیر نے اسے ٹوکا دیا۔ قاسم علی نے بے دلی سے قدم بڑھا دیے۔ اس کا آج کوئی ٹیسٹ تھا' اس لیے وہ یونیورسٹی سے ذرا جلدی فارغ ہو گیا تھا لیکن گاؤں کی حدود میں آکر بس سے اترا تو کوئی تانگہ' رکشہ وغیرہ نہیں ملا' اس لیے وہ پیدل ہی چل پڑا تھا' لیکن یہاں راستے میں آکر ایک اور مصیبت گلے پڑ گئی تھی' اس لیے اسے اب گھر کے بجائے حویلی کی طرف جانا تھا۔

"آپ کہاں سے آ رہے ہیں اس وقت؟" زرنگاہ ٹھہر گئی تھی۔

"یونیورسٹی سے۔۔۔" اس نے نپا تلا سا جواب دیا تھا۔

"اتنی جلدی۔۔۔؟" وہ اسے سر تا پا دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کے جوتوں پہ جمی دھول بتا رہی تھی کہ کافی دور سے چل کے آیا ہے۔

"پیپر تھا۔" اس کے جواب مختصر سے تھے۔

"اچھا! پیپر بھی اتنی جلدی ختم ہو گیا؟" وہ جان بوجھ کے سوالات کا سلسلہ بڑھا رہی تھی کیونکہ اسے پتا تھا کہ قاسم علی کا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔

"بتایئے ناں قاسم علی! پیپر اتنی جلدی ختم ہو گیا؟" وہ اب اسے زچ کرنے کے لیے اصرار کرنے لگی۔

"پیپر نو بجے شروع ہوا اور بارہ بجے ختم ہو گیا۔ میں ۱۰ بجے وہاں سے واپسی کے لیے نکلا ہوں اور دو بجے ۱۔۹ پہنچا ہوں۔ اب آدھا گھنٹہ ہو چکا ہے مجھے پیدل چلتے ہوئے' اس لیے آپ ٹائم دیکھ لیں پورے اڑھائی بجے کا ٹائم ہو رہا ہے' ایک منٹ بھی آگے پیچھے نہیں ہے۔" قاسم علی نے خفگی سے کہتے ہوئے اپنی مضبوط کلائی پہ بندھی بلیک لیدر کے پٹے والی رسٹ واچ اس کے سامنے کی تھی اور زرنگاہ بے ساختہ مسکرا اٹھی تھی۔

اور قاسم علی اس کے مسکرانے پہ حیران ہوا تھا۔

"میں اتنے دنوں سے سوچ رہی تھی کہ میں اتنا کچھ کہتی ہوں مگر آپ کو غصہ کیوں نہیں آتا۔۔۔؟ آپ ہمیشہ ٹھنڈے ٹھنڈے کول کول رہتے ہیں' لیکن آج مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کو غصہ آتا تو ہے مگر آپ ضبط کر جاتے ہیں۔" زرنگاہ اپنی حرکت پہ خود ہی لطف اندوز ہو رہی تھی۔ قاسم علی اس کی شرارت پہ خجل سا ہو گیا۔

اس نے گلابی دوپٹے اور سفید یونیفارم میں ملبوس اس کم سن سی اور شرارتی لڑکی کو نرمی سے دیکھا اور گردن جھکا لی۔ وہ پورے راستے یونہی اوٹ پٹانگ سی حرکتیں کرتی ہوئی آئی تھی۔ اتنا طویل راستہ کٹنے کا پتا ہی نہ چلا۔۔۔ اس کے قدم تب رکے جب وہ حویلی کے سامنے پہنچے تھے۔

"کیا آج پھر آئیں گے۔۔۔؟" وہ گیٹ سے اندر داخل ہونے سے پہلے پوچھ رہی تھی۔

"مجبوری ہے۔۔۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"آپ کی مجبوری میرے گلے کا طوق بن گئی ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کے بولی۔

"اپنے بابا سے کہیں' وہ یہ طوق آپ کے گلے سے اتار دیں۔" قاسم علی نے مشورہ دیا۔

"یہ طوق میں خود ہی اتاروں گی۔"

"وہ کیسے۔۔۔؟" قاسم علی ٹھٹکا۔

"یہ ابھی سوچنا ہے۔"

"کچھ اچھا سوچیے گا۔" قاسم علی نے درخواست کی تھی۔

"آپ! میرے استاد نہ ہوتے تو بہت اچھے ہوتے۔" وہ ناک چڑھا کے کہہ رہی تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مطلب یہ کہ آپ جس روپ میں میرے سامنے آئے ہیں وہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ آپ میرے بچپن کے میرے سامنے آئے ہیں اس لیے قطعی اچھے نہیں لگتے' البتہ آپ صرف قاسم علی بن کے آتے تو میری آپ سے کافی بن سکتی تھی۔ اتنے برے بھی نہیں ہیں۔ اچھے انسان ہیں آپ۔"

زرنگاہ اس کی تعریف کرنے کے بعد گیٹ کے اندر غائب ہو چکی تھی اور قاسم علی حیرت زدہ سا بس دیکھتا رہ گیا تھا!

☼ ☼ ☼

"قاسم علی... قاسم علی! اٹھو بیٹا شام ہونے والی ہے اور کتنی دیر سوؤ گے؟ عصر کی نماز بھی قضا ہو گئی تمہاری۔" والدی صاحبہ نے کمرے میں آکر اس کا کندھا ہلایا اور' وہ نماز قضا ہونے کا سن کر یکدم گڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔

"آپ مجھے اب جگا رہی ہیں والدی صاحبہ جب نماز قضا ہو گئی؟" قاسم علی ناراضی سے کہتا بستر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"پہلے بھی تمہیں آواز دی تھی لیکن تم نے سنا ہی نہیں' اس لیے اب سب بچیوں کو چھٹی دے کر تمہاری طرف ہی آگئی ہوں۔" وہ قاسم علی کا بستر درست کرنے لگیں۔

"اب فوراً" نیند سے اٹھ کر نہانے کے لیے مت گھس جانا' بیمار پڑ جاؤ گے۔" انہوں نے اسے تولیہ اٹھاتے دیکھ کر منع کیا تھا۔

"اور جب تک نہاؤں گا نہیں طبیعت فریش نہیں ہو گی۔" اس نے انہیں وجہ بتائی۔

"لیکن بیٹا!" انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

"والدی صاحبہ! مجھے وضو کرنا ہے' قضا نماز پڑھنی ہے اور ابھی کچھ اسائنمنٹ بھی بنانی ہیں۔ اس لیے میرا فریش ہونا ضروری ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ذرا ذرا سی بات سے بیمار ہونے والا نہیں ہوں۔" اس نے ان کے کندھے دبا کے کہا اور وہ اسے مزید منع نہیں کر سکیں۔ قاسم علی مسکرا کر غسل خانے کی سمت بڑھ گیا۔ تقریباً" دس منٹ بعد وہ نہا کر تولیے سے بال رگڑتا ہوا باہر نکلا تو اتنے میں مولوی صاحب بھی گھر آ چکے تھے۔

"السلام علیکم دادا صاحب...!" اس نے تولیے والا ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام! اس وقت کیوں نہائے ہو...؟ آج کل موسم تو ویسے ہی کافی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" وہ صحن میں بچھی چارپائی پہ بیٹھ گئے۔

"سو گیا تھا اس لیے ٹائم گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا' ابھی جاگا ہوں۔" اس نے دوبارہ بال رگڑنے شروع کر دیے۔

"اچھا! تو کیا تم زرنگاہ بی بی کو پڑھانے کے لیے بھی نہیں گئے...؟" مولوی صاحب کا پہلا خیال اسی طرف گیا تھا... قاسم علی کا ہاتھ ایک بار پھر رک گیا۔

"جی! نہیں جاسکا..."

"جا نہیں سکے سے کیا مطلب ہے تمہارا...؟ زیادہ وقت نہیں گزرا' ابھی بھی جا سکتے ہو' قمیص پہنو' بال ٹھیک کرو اور جاؤ' اپنی ذمہ داری میں کوتاہی مت کرو' کوتاہی کرو گے تو شرمندگی اٹھاؤ گے۔"

مولوی صاحب نے اسے سرزنش کی۔ قاسم علی چپ کا چپ رہ گیا' وہ تولیہ کندھوں پہ ڈالے ان کی چارپائی کے قریب رکھے موڑھے پہ بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے اس طرح کیوں بیٹھ گئے ہو...؟" اس کے بیٹھنے پہ انہیں خفگی ہوئی تھی۔

"دادا صاحب! میرا حویلی جانا ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے بالآخر کہہ دینا ہی مناسب سمجھا... مولوی صاحب یکدم چونک اٹھے۔

"حویلی جانا ٹھیک نہیں ہے...؟ کیا کہنا چاہتے ہو تم...؟" ان کے لہجے میں پریشانی گھل گئی۔

"دادا صاحب! حویلی میں زرنگاہ بی بی کے علاوہ بھی جوان بیٹیاں ہیں اور میں ایک نامحرم ہوں ان کے لیے



میرا وہاں آنا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ حویلی میں کوئی افسانہ بنے..." قاسم علی نے کچھ واضح اور کچھ ڈھکے چھپے الفاظ میں انہیں سب کچھ بتا دیا تھا۔ مولوی صاحب حیرت سے گنگ ہوئے رہ گئے تھے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو قاسم علی...؟"

"میں کچھ غلط نہیں کہہ رہا دادا صاحب! عورت ذات نادان اور کم عقل ہوتی ہے' جب اپنے من مرضی کا سوچتی ہے تو ہر اونچ نیچ اور ذات پات کا فرق بھول جاتی ہے' لیکن دنیا یہ فرق بھولنے نہیں دیتی۔ دنیا کچوکے لگانا شروع کر دیتی ہے اور اس سے پہلے کہ دنیا اپنی زبان کا استعمال کرے' ہمیں خود ہی سمجھ جانا چاہیے۔" قاسم علی نے مولوی صاحب کو پریشانی اور تفکرات میں دھکیل دیا تھا۔

"کیا کسی نے کچھ کہا ہے تم سے؟"

"کہنا ضروری نہیں ہوتا دادا صاحب!"

"تو پھر...؟ تم یہ سب کیوں اور کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟" مولوی صاحب نے اس بات کو غلط ثابت کرنا چاہا تھا۔

"میں نے یہ سب محسوس کیا ہے اور میرے محسوسات کبھی غلط ثابت نہیں ہوئے۔" اس کے لہجے اور انداز میں یقین تھا۔

"لیکن بیٹا! یہ سب غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے نا؟"

"ہو سکتی ہے' ضرور ہو سکتی ہے' لیکن میری وہاں موجودگی کے دوران بار بار ایک ہی انسان کا وہاں چکر لگانا اور بار بار بہانے سے زرنگاہ بی بی کو وہاں سے اٹھا کر باہر بھیج دینا' مجھ سے غیر ضروری اور بلاوجہ باتیں کرنے کی کوشش کرنا اور میرے لیے چائے وغیرہ اور دیگر لوازمات بھیجتے رہنا بھی غلط فہمی ہے کیا...؟ دادا صاحب! میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ ان کے دیکھنے کا انداز ہی کیسا ہوتا ہے' ان کی نظریں بہت بے باک ہوتی ہیں' شرم اور لحاظ سے عاری' بے خوف اور نڈر' جیسے کسی کی کوئی پروا نہ ہو... ایسے میں کچھ ہو گیا تو کیا کریں گے ہم...؟ دیکھنے سننے والے ہمیں غلط کہیں گے' ہمیں نہیں۔ سارا الزام مرد پہ ہی آتا ہے۔ سب کچھ مرد ہی کرتے ہیں۔ چاہے مرد ہر طرف سے بے گناہ اور بے قصور ہی کیوں نہ ہو۔" قاسم علی ایک حقیقت بیان کر رہا تھا اور مولوی صاحب جواباً" کچھ نہ کہہ سکے سوائے ایک بات کے!

"کس کی بات کر رہے ہو...؟" ان کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"قندیل بی بی کی..." اس نے بھی آہستگی سے جواب دیا تھا۔

"لیکن بیٹا! میں چاہتا ہوں کہ جیسے تیسے ہی سہی' ایک بار تم زرنگاہ بی بی کو میٹرک پاس کروا دو' پھر بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی اور اس طرح ملک نواز صاحب بھی خوش ہو جائیں گے۔ اب اگر تم یہ کام ادھورا چھوڑ دو گے تو انہیں کیا وجہ بتاؤ گے؟ اور تمہیں پتا ہے کہ صاف وجہ تو ہم بتا بھی نہیں سکتے اور اس طرح تو کام بھی ادھورا اور ان کی ناراضی بھی اور اوپر سے جو اتنا عرصہ تم وہاں جاتے رہے ہو اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں رہے گا۔ وہ نیکی بھی سمجھو کہ ضائع ہو گئی' اس لیے تم سے کہہ رہا ہوں کہ اپنی نیکی خود ہی ضائع نہ کرو' تھوڑا صبر کرو کہ کیا ہوتا ہے۔ اللہ سے بہتری اور بھلائی کی امید رکھنی چاہیے' اللہ تمہاری مدد کرے گا۔" انہوں نے اس کا کندھا تھپکا۔ قاسم علی خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا تھا اس نے تولیہ کھونٹی پہ لٹکایا' قمیص پہنی' اپنے بال سنوارے اور کالے رنگ کے سلیپر پہن کر حویلی جانے کے لیے گھر سے نکل آیا۔ البتہ جاتے جاتے راستے میں مسجد میں قضا نماز ادا کرنا نہیں بھولا تھا۔

☼ ☼ ☼

"امی! آپ لوگ واپس کب تک آئیں گے؟" قندیل سیڑھیاں اترتی ہوئی فاخرہ بیگم کے قریب آگئی تھی' وہ کہیں جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

"دیکھو بیٹا! آج مہندی کی رسم ہے' کل شادی اور پرسوں شام کو ولیمہ کی رسم ہو گی' اس کے بعد ہی واپسی کا کچھ بنے گا۔" انہوں نے قندیل کا رخسار تھپکتے

ہوئے کہا تھا۔

"تو آپ لوگ نگاہ کو کیوں ساتھ لے کر جا رہے ہیں؟ اسے تو چھوڑ جائیں۔" قندیل نے غصے سے چڑ کر کہا تھا۔

"اسے ہم نہیں' اس کا باپ ساتھ لے کر جا رہا ہے۔ باپ اور دلوا کی چہیتی خود جانے کی ضد کر رہی تھی اور ظاہر ہے وہ تو اسے منع نہیں کریں گے' جو وہ کہے گی وہی کریں گے۔" فاخرہ بیگم دانت پیس کر بولیں۔ انہیں بھی زرنگاہ اتنی ہی ناپسند تھی' جتنی ان کی بیٹیوں کو تھی۔

"یعنی وہ بھی تین دن بعد ہی آئے گی۔۔۔؟" قندیل کو دراصل یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ اگر وہ گھر پہ نہیں ہو گی تو قاسم علی بھی نہیں آئے گا۔

"ظاہر ہے' وہ بھی ہمارے ساتھ ہی آئے گی۔" فاخرہ بیگم نے کافی نخوت سے کہا تھا۔ وہ لوگ کسی قریبی رشتہ دار کی شادی میں مدعو تھے۔ ملک امتیاز احمد' فاخرہ بیگم اور ملک نواز احمد تینوں جا رہے تھے اور زرنگاہ کے دل میں نجانے کیا سمائی کہ وہ بھی جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی' شاید اس لیے بھی کہ یہ شادی شہر میں ہو رہی تھی اور ان سب کو شرکت کے لیے شہر ہی جانا تھا۔

"بیگم صاحب! ملک صاحب بلا رہے ہیں' گاڑی میں بیٹھے ہیں۔" کلو نے آ کر اطلاع پہنچائی۔

"اچھا بیٹا! میں چلتی ہوں۔ بڑے ملک صاحب گھر پہ ہی ہیں۔ تم لوگوں کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دو تین دن گزرتے ہوئے پتا بھی نہیں چلے گا' خدا حافظ۔" وہ قندیل کو تسلی دے کر اس کا گال تھپکتے ہوئے چلی گئیں۔

"او کے قندیل آپی! میں بھی جا رہی ہوں۔" زرنگاہ نک سک سے تیار چہکتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی' اسے دیکھ کر قندیل کا دل جل کے رہ گیا۔

"اور ہاں قندیل آپی! قاسم علی آئیں تو انہیں کہہ دیجئے گا کہ میں پورا ایک ہفتہ شہر رہ کر آؤں گی' اس لیے وہ فی الحال نہ آئیں۔" زرنگاہ نے جاتے جاتے اسے تاکید کی تھی۔

"ایک ہفتہ۔۔۔؟" قندیل کو تعجب ہوا تھا۔

"ارے آپی! آنا تو مجھے تین دن بعد ہے' بس اس کے سامنے ہفتے کا بہانہ کرنا ہے' اچھا ہے' چند دن جان چھوٹی رہے گی۔" زرنگاہ نے شرارت سے کہا۔ قندیل مزید جل اٹھی۔

"او کے بائے۔۔۔" وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی پلٹ کر چلی گئی۔ شام گہری ہو رہی تھی جب وہ گھر سے نکلے تھے۔ قندیل اور کوکب گھر پہ اکیلی تھیں۔ قندیل کو زرنگاہ پہ رہ رہ کر تاؤ آ رہا تھا البتہ کوکب اسے سمجھا بجھا کر تسلیاں دے رہی تھی۔

"تم۔۔۔! تم نہیں سمجھو گی کوکب! وہ' وہ قاسم علی میرے جینے کی آس بن چکا ہے۔ میں پاگل ہو چکی ہوں اس کی طلب میں۔" قندیل بڑی شدت سے اظہار کر رہی تھی۔ کوکب اسے دیکھتی رہ گئی۔ آخر وہ کیا حل سوچتی' آپی اس قدر جنونی اور جذباتی بن کے لیے۔۔۔؟

"قندیل بی بی! وہ قاسم علی آیا ہے۔" ان کی ملازمہ سکھاں نے آ کر اطلاع دی۔ قندیل کی آنکھیں چمک اٹھیں اور چہرے پہ عجیب سی خوشی بکھر گئی۔

"دلوا جان کہاں ہیں؟" کوکب نے ملازمہ سے پوچھا۔

"ڈیرے پہ ہیں' کہہ رہے تھے کہ ذرا دیر سے آئیں گے' ان کے کچھ جاننے والے آئے ہوئے ہیں۔" سکھاں کے تو فرشتوں کو بھی نہیں پتا تھا کہ وہ کس نیت سے پوچھ رہی ہے۔

"اچھا! ٹھیک ہے۔ جاؤ تم۔۔۔ اور ہاں قاسم علی کو بھیج دو۔" کوکب نے ذرا لاپروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ سکھاں سر ہلا کر چلی گئی۔

"کیا ارادہ ہے اب؟" کوکب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آج میں سب کچھ کہہ دوں گی' سب اظہار کر دوں گی' اس سے کہہ دوں گی کہ مجھے اپنا بنا لے۔" قندیل کے انداز میں بے قراری تھی۔

"ٹھیک ہے' پھر اس کمرے میں چلی جاؤ' میں اسے وہاں بھیج دیتی ہوں۔ یہاں تو کوئی بھی ملازم آ سکتا ہے۔" کوکب نے سیڑھیوں کے قریب کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ قندیل کوکب کے ساتھ دینے پہ اور بھی شیر ہو گئی۔

"تھینک یو! تھینک یو سو مچ۔" وہ کوکب کا گال چومتی ہوئی کمرے میں چلی گئی تھی اور خود کوکب ڈرائنگ روم میں ٹی وی لگا کے بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم بی بی جی!" چند سیکنڈ بعد قاسم علی کی آواز ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے سے سنائی دی۔

"وعلیکم السلام! قاسم علی تم اس وقت۔۔۔؟" کوکب نے اسے شام گہری ہونے کا احساس دلایا۔

"معافی چاہتا ہوں بی بی جی! تھکا ہوا تھا اس لیے سو گیا تھا اور نیند میں وقت گزرنے کا پتا نہیں چلا' اسی لیے کچھ لیٹ ہو گیا ہوں۔" وہ نظریں جھکائے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

"اٹس او کے! لیکن آئندہ کے لیے دھیان رکھنا۔ اپنے وقت پہ آیا کرو۔" کوکب نے اسے ہدایات دیتے ہوئے خوامخواہ رعب جمانے اور اپنے ڈرامے میں رنگ بھرنے کی کوشش کی۔

"ان شاء اللہ! ایسا ہی ہو گا۔" اس نے اسے اطمینان دلایا۔

"اچھا جاؤ! نگاہ اس کمرے میں ہے۔ کمپیوٹر پہ کچھ کام کر رہی ہے۔" کوکب نے لاپروائی سے کمرے کی سمت اشارہ کیا تھا۔

"کمرے میں۔۔۔؟" قاسم علی کے قدم رک گئے۔

"ہاں! یہاں میں ٹی وی دیکھ رہی ہوں۔ آج تم لوگ وہیں بیٹھ کر پڑھ لو۔" اس نے لاتعلقی سے کہا اور مجبوراً قاسم علی کو کمرے کی طرف قدم بڑھانا پڑے۔ کوکب پیچھے سے دیکھ کر مسکرائی اور ٹی وی کا والیوم بڑھا دیا۔

☼ ☼ ☼

دروازے پہ ہلکی سی دستک دینے کے بعد وہ اندر آ گیا۔ اندر کمرے میں ملگجا سا اندھیرا تھا۔ وہ ٹھٹک گیا تھا۔

"زرنگاہ بی بی!" اس نے الجھتے ہوئے پکارا' لیکن اسے کمرے میں کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"اس حویلی میں زرنگاہ کے علاوہ بھی کچھ لوگ بستے ہیں قاسم علی!" قندیل کی بہکی بہکی اور نشیلی سی آواز سنائی دی۔ قاسم علی یکدم کرنٹ کھا کے پیچھے پلٹا مگر قندیل دروازہ مقفل کر چکی تھی۔

"قندیل بی بی آپ۔۔۔؟" قاسم علی اس کا حلیہ دیکھ کر گنگ ہو گیا تھا۔ وہ ملگجے سے اندھیرے میں بھی بہت واضح نظر آ رہی تھی اور اس کا حلیہ ایسا تھا کہ قاسم علی کی نظریں جیسے زمین میں گڑ گئی تھیں۔ وہ اک نظر کے بعد دوسری نظر دیکھ نہیں پایا تھا۔

"آئی لو یو قاسم علی! آئی لو یو۔" قندیل بے اختیار ہو کر اس کی طرف بڑھی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" وہ بدک کر پیچھے ہٹا۔

"قاسم علی! میں تم سے محبت کرتی ہوں' تمہیں چاہتی ہوں' تمہارے لیے پاگل ہو چکی ہوں میں۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا' گھر پہ اور کوئی بھی نہیں ہے' تم ڈرو نہیں۔" قندیل کہہ رہی تھی۔ قاسم علی ششدر سا کھڑا تھا۔ اس عورت نے اپنے نفس کی خاطر کس حد تک خود کو گرا لیا تھا' وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"قاسم علی دیکھو! اتفاق سے ہمارے نام بھی ایک ہیں۔ تم بھی "ک" اور میں بھی "ک" اور تم اسی چیز سے سوچ لو کہ ہمیں بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔" وہ اسے بار بار جھنجوڑ کے اپنی سمت متوجہ کر رہی تھی۔

"نام ایک ہونے سے نیت' کردار اور چلن ایک جیسا نہیں ہو سکتا قندیل بی بی! آپ اپنے آپ کو اس حد تک گرا لیں گی' میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" اس نے جیسے حواسوں میں آتے ہوئے اسے دوبارہ پیچھے دھکیل دیا۔

"اپنے آپ کو گرا کر بھی اگر تم مجھے مل جاؤ تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے میرے لیے' میں تمہیں پانے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ میں جانتی ہوں' ہماری کبھی شادی نہیں ہو سکتی' لیکن محبت کرنے پر تو پابندی نہیں





www.paksociety.com

ہے۔ بس! ایک بار قبول کر لو مجھے۔" قندیل اس کا گریبان دبوچ چکی تھی۔

"میں ایسی عورت پہ لعنت بھی نہیں بھیجنا چاہتا قندیل بی بی! جو ایک غیر اور نامحرم مرد کے سامنے اس طرح بچھ جائے۔" قاسم علی کے لہجے میں حقارت اتر آئی۔ وہ چاہتا تو اس پہ ہاتھ بھی اٹھا سکتا تھا لیکن وہ کسی عورت پہ ہاتھ اٹھا کر خود کو کمزور مرد نہیں کہلانا چاہتا تھا۔

"قاسم علی! میں صرف تمہارے لیے بچھ رہی ہوں صرف تمہارے لیے۔"

"میں بدکردار اور نفس کا بندہ نہیں ہوں قندیل بی بی! گھن آتی ہے مجھے عورت کے اس روپ سے جو آپ مجھے دکھا رہی ہیں۔" اس نے نفرت سے سر جھٹکا۔

"قاسم علی! تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" وہ غصے سے پھنکاری۔ اس کا نفس اس کے اندر زہر بننے لگا تھا۔

"میں حد سے بڑھ رہا ہوں تو معافی چاہتا ہوں آپ سے لیکن میں آپ کی کوئی گندی اور غلیظ خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ اس کام کے لیے آپ کسی اور کا انتخاب کیجیے۔ اللہ حافظ۔" وہ کہہ کر دروازے کی سمت بڑھ گیا۔

"نہیں قاسم علی! تم مجھے اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ تم چاہو تو میں تمہیں منہ مانگی رقم دے سکتی ہوں اتنی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔" وہ یکدم اس کے اور دروازے کے درمیان حائل ہو گئی تھی لیکن قاسم علی نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اسے دھکیلا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

"قاسم علی!" وہ پیچھے سے بلند آواز میں پوری قوت سے چیخی۔

"قاسم علی...! میں تمہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گی۔ پچھتاؤ گے تم۔" وہ زور زور سے چیخ رہی تھی۔ اسے ٹھکرائے جانے کا درد تڑپا رہا تھا لیکن قاسم علی وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ کوکب بھی پکارتی رہ گئی تھی...!

☼ ☼ ☼

وہ شاید گھر آ کر مولوی صاحب کو ایسی شرمناک بات نہ بتاتا مگر اچانک دادی صاحبہ کی نظر اس کی قمیص کی پھٹی ہوئی جیب کی سمت اٹھی تھی اور گریبان کے دو بٹن بھی ٹوٹے ہوئے تھے۔

"قاسم علی! کسی سے جھگڑا ہوا ہے کیا؟" دادی صاحبہ کی بات پہ مولوی صاحب بھی چونک گئے۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تو پھر یہ تیری قمیص کیوں پھٹی ہوئی ہے؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو تم پہن کر گئے تھے؟" وہ پریشان ہو گئیں اور مولوی صاحب بھی اپنے بستر سے اٹھ کے بیٹھ گئے۔

"بتاؤ ناں قاسم علی! کہاں گئے تھے تم... اور کہاں سے آ رہے ہو؟" اب کی بار انہوں نے خود پوچھا تھا... اور قاسم علی نے اک نظر انہیں دیکھنے کے بعد سر جھکا لیا۔

"حویلی گیا تھا اور حویلی سے ہی آ رہا ہوں۔" اس کا جواب بے حد مختصر تھا۔

"حویلی...؟ مگر یہ سب؟" وہ الجھ گئے۔

"گھر پہ کوئی بھی نہیں تھا صرف قندیل بی بی اور کوکب بی بی تھیں۔"

قاسم علی کے اگلے جواب پہ مولوی صاحب دھک سے رہ گئے۔ قاسم علی وہاں سے ہٹ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کا ذہن بری طرح منتشر ہو رہا تھا۔ اسے اس وقت ہر چیز بری لگ رہی تھی۔ اس نے اپنی قمیص اتار کر غصے سے زمین پہ دے ماری۔

دادی صاحبہ اور مولوی صاحب الگ اپنے کمرے میں پریشان حال بیٹھے تھے اس مسئلے کا کوئی حل نہیں مل رہا تھا انہیں۔

☼ ☼ ☼

"نگاہ بیٹا! ادھر آؤ بات سنو..." ملک نواز احمد ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے جب انہوں نے راہداری سے گزرتی نگاہ کو آواز دی۔

"جی بابا!" وہ چپس کھاتے ہوئے قریب آ گئی۔

"ہم لوگوں کو چار دن ہو گئے ہیں شہر سے واپس آئے ہوئے اور میرا خیال ہے کہ قاسم علی ایک بار بھی نہیں آیا؟" انہیں قاسم علی کی غیر حاضری پہ فکر ہو رہی تھی۔

"جی!" اس نے بمشکل جی کہا ورنہ وہ دل ہی دل میں یہی چاہ رہی تھی کہ وہ نہ ہی آئے تو اچھا ہے۔ وہ دن بھر اسکول میں سر کھپا کے گھر آتی ہے تو وہ گھنٹے اس کے ساتھ بندھ کے بیٹھنا پڑتا ہے۔

"تو تم نے خود مجھے کیوں نہیں بتایا کہ قاسم علی نہیں آیا؟" وہ خفگی سے بولے۔

"میں نے سوچا کہ ایک دو روز میں آ جائیں گے۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اچھا... لو سکھاں یا کلو کو بھیجو میری طرف۔"

"جی اچھا!" وہ کہہ کے پلٹ گئی۔

پھر ملک نواز احمد نے کلو کو مولوی صاحب کے گھر بھیج دیا تھا قاسم علی کو بلانے کے لیے، لیکن قاسم علی نے بہانہ کر دیا تھا کہ اس کی طبیعت خراب ہے، جب ٹھیک ہوئی تو آ جائے گا۔

"اچھا! ٹھیک ہے۔ صبح ہم خود جائیں گے اس کی طبیعت پوچھنے۔" وہ کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے اور ارنگاہ پاؤں پٹخ کے رہ گئی۔

"یہ قاسم علی بھی پتا نہیں کب جان چھوڑے گا میری... کتنے دنوں سے آزاد پھر رہی تھی اور اب پھر وہی طوق۔" اس نے ناگواری کا اظہار کیا۔

"تم جان چھڑانا چاہو تو ایک منٹ میں چھڑا سکتی ہو۔" قندیل کا نفرت بھرے انداز میں بولی۔

"مگر کیسے آپی؟" وہ جھنجلا کر بولی۔

"کیسے؟ یہ تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے تم بتاؤ کہ میرا ساتھ دو گی اپنی جان چھڑانے کے لیے؟" اس نے اسے بیکار کرنا چاہا۔

"ہوں! دوں گی ساتھ۔" اس نے اپنی مستی اور لالی میں ہاں بھر لی۔ قندیل زہرخند سے انداز میں ہنس دی۔ اسے قاسم علی نے چوٹ پہنچائی تھی اور اب اسے قاسم علی کو چوٹ پہنچانی تھی،

چاہے اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنا پڑتا۔

زرنگاہ نے اس سے پوچھا بھی، لیکن قندیل نے فی الحال کوئی بھی بات بتانے سے انکار کر دیا۔

☼ ☼ ☼

دروازے پہ بہت زوردار دستک ہوئی تھی۔

قاسم علی جوتے پہن کر تیزی سے اپنے کمرے سے باہر آیا۔

"کون ہے...؟" اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا۔

"ملک صاحب ہیں قاسم علی! دروازہ کھولو۔" حویلی کے ڈرائیور بشیر کی آواز تھی قاسم علی نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

"ملک صاحب! آپ یہاں؟" اسے اچنبھا ہوا۔

"السلام علیکم قاسم علی! ہم تمہاری عیادت کے لیے آئے ہیں۔ اندر نہیں آنے دو گے؟"

"جی ضرور! آئیے آپ اندر آ جائیے۔" قاسم علی ایک بری لڑکی کی وجہ سے باقی سب کے ساتھ بداخلاقی سے پیش نہیں آ سکتا تھا۔ اس نے ان دونوں کو اندر آنے کے لیے راستہ دیا اور انہیں ساتھ لے کر مولوی صاحب کے کمرے میں آ گیا۔

"دادا صاحب! دیکھیے ملک صاحب آئے ہیں۔" قاسم علی کے بتانے پہ وہ فوراً اٹھ بیٹھے۔

"زہے نصیب! آج ہمارے گھر کے بھاگ کیسے جاگ گئے۔" قاسم علی نے ان کے بیٹھنے کے لیے کرسی پیش کی۔

"ہم نے تو سنا تھا قاسم علی بیمار ہے، لیکن ہمیں تو ماشاء اللہ کہیں سے بیمار نظر نہیں آ رہا۔" ملک نواز احمد نے جو بات دل میں آئی تھی وہ کہہ ڈالی۔

"اس کی طبیعت چار پانچ روز پہلے خراب ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس پہ تھوڑی سستی اور کاہلی سوار ہو گئی ہے۔ میں تو اسے کہہ رہا تھا کہ یہ شہر چلا جائے، وہیں ہاسٹل میں رہ لے۔ میں خرچا برداشت کر لوں گا اور یہ خود بھی وہاں کوئی نوکری شروع کر سکتا ہے۔"

مولوی صاحب نے خود ہی طریقے سے بات سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ ملک نواز احمد نرمی سے مسکرائے۔

"اگر قاسم علی شہر چلا گیا تو زرنگاہ کو کون پڑھائے گا؟" وہ کافی نارمل طریقے سے بات کر رہے تھے۔ قاسم علی نے بے ساختہ مولوی صاحب کی طرف دیکھا تھا۔

"اگر یہاں رہے گا تو ضرور پڑھائے گا' لیکن اگر شہر جانے کی تیاری بن گئی تو پھر۔" مولوی صاحب نے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"نہیں مولوی صاحب! جب تک زرنگاہ میٹرک نہیں کر لیتی' قاسم علی کو کہیں نہیں جانا چاہیے۔ میں دراصل یہ چاہتا ہوں کہ وہ میٹرک کلیئر کرلے تو میں اسے شہر بھیج دوں گا۔ وہاں وہ فرسٹ ایئر میں ایڈمیشن لے گی اور ساتھ ساتھ اسے ٹیوشن بھی پڑھاتے رہیں گے۔ شہر میں تو کوئی بھی اچھا سا ٹیوٹر آسانی سے مل سکتا ہے' بس مسئلہ ہے تو صرف گاؤں کا۔ صرف کچھ عرصے کی بات ہے۔"

"لیکن ملک صاحب وہ میں۔۔۔" قاسم علی نے کچھ بولنا چاہا مگر مولوی صاحب نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ٹھیک ہے ملک صاحب! آپ اتنا مجبور کر رہے ہیں تو قاسم علی آجائے گا۔ اب آپ کے سامنے انکار تو نہیں ہو سکتا ناں؟ کچھ عرصہ بعد شہر چلا جائے گا۔" مولوی صاحب انہیں صاف انکار نہیں کرسکے۔ قاسم علی ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کے رہ گیا۔

"شکریہ مولوی صاحب! بہت بہت شکریہ۔" ملک نواز احمد خوش ہو گئے۔ مولوی صاحب نے ان کے لیے چائے بنا کر اندر بھیجی۔ چائے پینے کے بعد وہ واپسی کے لیے کھڑے ہو گئے انہیں رخصت کر کے قاسم علی واپس مولوی صاحب کے پاس آ بیٹھا تھا مگر اس کا موڈ آف تھا۔ یہ بات وہ بھی نوٹ کر چکے تھے۔

"قاسم علی!" انہوں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"دادا صاحب! آپ شاید اس مسئلے کو اس گہرائی سے نہیں سمجھ رہے' جس گہرائی سے میں آپ کو سمجھانا چاہ رہا ہوں۔ میرا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے' کوئی بھی فساد کھڑا ہو سکتا ہے۔ آپ کیوں نظریں چرا رہے ہیں کہ چند روز پہلے کیا ہوا تھا آخر۔۔۔؟"

"وہ سب ٹھیک ہے بیٹا! مگر اب یہ دیکھو کہ وہ خود گھر چل کے آئے ہیں۔" مولوی صاحب بھی عجب کشمکش کا شکار تھے۔

قاسم علی انہیں سختی سے انکار بھی نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ اس کے بزرگ تھے اور وہ تھے کہ مصلحت نبھاتے نبھاتے ہر طرف سے آنکھیں ہی بند کر چکے تھے۔

۞ ۞ ۞

چن تے چکوری دانگوں پیار کریے
اسی دو وے دنیا توں کیوں ڈریے
پیار دیاں بانہواں وچ میں تو لکو
چن مکھاں وے نیڑے نیڑے ہو
ڈھول جانیاں وے نیڑے نیڑے ہو

آج پھر اس گانے نے قاسم علی کے قدموں کو رکنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم کی دہلیز پہ کھڑا تھا اور زرنگاہ سامنے صوفے پہ بیٹھی ٹی وی پہ تیز آواز کے ساتھ یہ گانا دیکھ رہی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے کافی بلند آواز میں سلام کیا تھا تاکہ وہ سن لے۔

"وعلیکم السلام! آئیے آئیے۔ اندر آجائیے۔" زرنگاہ فوراً صوفے سے کھڑی ہو گئی اور والیوم بھی آف کر دیا۔

"آپ اپنی کتابیں لے کر باہر لان میں آجائیں' یہاں بیٹھنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔" وہ کہہ کر دوبارہ واپس مڑ چکا تھا۔

زرنگاہ نے اسے پیچھے سے آواز بھی دی مگر اس نے سنی اور باہر نکل گیا۔ مجبوراً زرنگاہ کو ہی اپنا بیگ لے کر باہر آنا پڑا۔

"میں تو اتنے دنوں سے سوچ رہی تھی کہ چلو! بہ ہے کہ میرا پیچھا چھوٹ گیا مگر مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ برتنگ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔" زرنگاہ اس کے مقابل والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے برا سا منہ بنا کر بولی۔ قاسم علی نے کوئی بھی جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

"سنا تھا' بیمار ہو گئے تھے آپ۔۔۔؟ ہائی وادے ہوا کیا تھا۔۔۔؟" زرنگاہ نے بیگ سے کتابیں نکالتے ہوئے شرارت سے اسے چھیڑا۔

"یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں ہے۔" اس نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا! تو کیا کرنے کا ہے؟" وہ پھر باز نہیں آئی۔

"شٹ اپ! میں بڑا ہوں آپ سے۔ آپ کو بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کیا؟" قاسم علی خوامخواہ چڑچڑا ہو رہا تھا۔ زرنگاہ کا کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی اسے اس پہ غصہ آرہا تھا۔ زرنگاہ حیرت زدہ سی اس کی سمت دیکھتی رہ گئی۔ قاسم علی نے اتنا عرصہ ہو گیا تھا کبھی اس پہ غصہ نہیں کیا تھا' کبھی ڈانٹ ڈپٹ کے بات کرنے کی یا پڑھانے کی کوشش نہیں کی تھی ہمیشہ نرمی سے اور دھیمے لہجے میں بات کرتا تھا۔ غصہ آیا بھی ہو تو ضبط کر جاتا تھا لیکن آج اس کا مزاج کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ وہ واقعی حیران ہوئی تھی۔

"ایم سوری! میں تو بس مذاق کر رہی تھی۔" وہ یقیناً "وہیمی پڑ گئی تھی۔

"میرے اور آپ کے درمیان مذاق کا کوئی رشتہ نہیں ہے' اس لیے بہتر ہے کہ اپنے کام سے کام رکھا جائے۔"

قاسم علی حد سے زیادہ تلخ ہو رہا تھا۔ جو کچھ ہو چکا تھا اس کے بعد وہ نہیں چاہتا تھا کہ زرنگاہ اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرے اسی لیے اسے ایک حد میں رکھنے کے لیے اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی ڈانٹ دیا تھا۔

"ہوں! ٹھیک ہے۔ مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ کی طبیعت بہت زیادہ خراب رہی ہے۔ ڈونٹ وری! آپ غصہ کر سکتے ہیں۔ آپ کا حق بنتا ہے۔ آپ استاد ہیں ناں میرے۔"

وہ سنجیدگی سے کہتے کہتے بھی مذاق کر گئی تھی اور قاسم علی نے دوبارہ کچھ بھی کہنے سے خود کو باز رکھا تھا' کیونکہ اسے پتا تھا کہ اب وہ اس کی ضد میں آکر بھی اسے تنگ کرے گی۔

"ویسے میں جس شادی میں گئی تھی ناں وہ دلہن بہت خوب صورت تھی' لیکن دولہا تو حد سے زیادہ خوب صورت اور شاندار تھا' واہ! ایسا کمال کی جوڑی تھی۔ مجھے لگتا ہے کہ جب آپ کی شادی ہو گی تو آپ بھی ایسے ہی لگیں گے۔ شاندار پرسنالٹی ہولڈر' لیکن مزہ تب آئے گا جب آپ کی دلہن بھی خوب صورت ہوگی۔"

وہ اپنی دھن میں کافی اوٹ پٹانگ بول رہی تھی لیکن قاسم علی خاموش تھا بس۔ اور پھر وہ پہلے سے زیادہ خاموش اور محتاط ہو گیا تھا' لیکن اس دوران ہی اس کے خلاف کیا کھچڑی پکی تھی کیا منصوبہ ترتیب دیا گیا تھا۔ وہ جان ہی نہ سکا تھا۔

۞ ۞ ۞

قاسم علی اب اسے روزانہ لان میں بیٹھ کر ہی پڑھاتا تھا تاکہ آنے جانے والے بھی دیکھتے رہیں کہ وہ پڑھا رہا ہے۔ کوئی غلط کام نہیں کر رہا' لیکن آج اس کے لیے مسئلہ ہو گیا تھا کہ حویلی آتے آتے بارش شروع ہو گئی تھی' "لہٰذا مجبوراً" اسے ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھنا پڑا آج اس کے علاوہ زرنگاہ بھی ذرا چپ چپ سی تھی مگر قاسم علی نے پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔

تقریباً" آدھا گھنٹہ گزرا تھا جب زرنگاہ کو قندیل نے آواز دے کر باہر بلایا تھا اور زرنگاہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں سے اٹھ کر جانا پڑا تھا۔ قاسم علی اس کا انتظار کرنے لگا لیکن چند سیکنڈ بعد زرنگاہ کے بجائے قندیل ضرور آگئی۔ قاسم علی اسے دیکھ کر یکدم کرنٹ کھا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پہ عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"کیسے ہو قاسم علی؟" وہ کافی تمسخرانہ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"آپ۔۔۔ آپ، یہاں؟" وہ کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔

"چند روز پہلے میں تڑپی تھی قاسم علی! آج تم تڑپو گے۔ اس روز تم نے میری نہیں سنی تھی آج تمہاری کوئی بھی نہیں سنے گا۔ آج تمہاری باری ہے۔"

وہ اسے کسی انہونی کا الارم دے رہی تھی۔ قاسم علی کے ذہن میں۔۔۔ خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔ وہ وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن قندیل بھی پوری تیاری سے کھڑی تھی۔ وہ اسے اتنی آسانی سے بھلا کیسے جانے دے سکتی تھی۔۔۔؟ اس نے قاسم علی کو پوری قوت سے پیچھے دھکیلا اور اس کو نوچتے کھسوٹتے ہوئے شور مچا دیا تھا۔ بس دو منٹ کی بات تھی اور حویلی کے تمام لوگ جمع ہو گئے تھے۔ فاخرہ بیگم کوکب ملک خورشید احمد، گھر کے ملازم اور زرنگاہ بھی وہاں بھاگی آئی تھی اور سب ہی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ قندیل کا دوپٹہ نیچے کارپٹ پر گرا ہوا تھا۔ خود وہ بلند آواز سے رو رہی تھی اور قاسم علی ششدر سا آنکھیں پھاڑے اس کا یہ ڈراما دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے۔۔۔؟ سب یہاں کیوں جمع ہیں۔۔۔؟" ملک امتیاز احمد کی آواز پہ سب لوگوں میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ ان کو دیکھ کر سارے ملازم ایک طرف پہ ہو گئے تھے ڈرائنگ روم کے اندر کا منظر دیکھ کر ملک امتیاز احمد کی بھنویں تن گئیں۔

"بابا۔۔۔!" قندیل روتی ہوئی لپک کر ان کے سینے سے لگ گئی۔

"قاسم علی نے۔۔۔ مم، مجھے اکیلے دیکھ کر میری عزت پہ ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہے' میرا دوپٹہ چھینا ہے مجھ سے' اگر میں شور نہ مچاتی تو یہ۔۔۔ یہ نجانے کیا۔۔۔"

وہ کہتے ہوئے یکدم ہچکیوں سے رونے لگی۔ پھر کوکب اور فاخرہ بیگم کا واویلا بھی شروع ہو گیا تھا جبکہ ملک امتیاز احمد کا خون کھول اٹھا تھا۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' خونخوار انداز میں آگے بڑھتے ہوئے اسے یکدم گریبان سے دبوچ لیا اور ایک زوردار مکا اس کے منہ پر رسید کیا۔

"بابا جی!" زرنگاہ بے ساختہ قاسم علی کی چوٹ پر بلبلا اٹھی' لیکن کوکب نے اس کا بازو کھینچتے ہوئے اسے خاموش کرا دیا۔ یہ اور بات تھی کہ ملک امتیاز احمد نے اس کی آواز پہ کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔

"بھائی صاحب! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" ملک نواز احمد بھی ان کے ساتھ ہی ڈیرے سے اٹھ کر آئے تھے' لیکن وہ باہر فون سننے کے لیے رک گئے تھے مگر جب اندر آئے تو دنگ رہ گئے۔

"میں مار ڈالوں گا اس کمینے کو۔ اس نے۔۔۔ اس نے میری عزت پہ ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے میری بیٹی پہ بری نظر ڈالی ہے۔ اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ ایسی حرکت کہاں کر رہا ہے۔ میں اس بے غیرت کا خون پی جاؤں گا۔۔۔" وہ اسے گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ رہے تھے۔

"میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی' جس کی وجہ سے آپ کی عزت۔۔۔"

"بکواس بند کرو۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو کہ تم نے ایسی حرکت نہیں کی تو کیا میری بیٹی جھوٹ بول رہی ہے ایسا شرمناک جھوٹ وہ بھلا کیوں بولے گی؟" ملک امتیاز نے اسے مزید تھپڑ اور گھونسے رسید کیے تھے' لیکن ملک نواز احمد فوراً سامنے آ گئے۔

"بھائی صاحب! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ پہلے ساری بات تو سن لیں کہ آخر ہوا کیا ہے؟" انہوں نے ان کا ہاتھ روکنے کی کوشش کی۔

"میں سن چکا ہوں ساری بات مجھے اور کوئی بات نہیں سننی۔ اپنی آنکھوں سے اپنی بیٹی کو ننگے سر دیکھا ہے۔ اس ذلیل' کمینے کی جرأت کیسے ہوئی کہ میری بیٹی پہ ہاتھ ڈالے؟" ملک امتیاز کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"ملک صاحب! میں نے کچھ نہیں کیا' میں بے قصور ہوں' میں نے کبھی بھی ان پہ بری نظر نہیں ڈالی۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ ڈراما ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھ پہ کیچڑ اچھالنے کے لیے یہ سب کیا گیا۔"



قاسم علی نے اپنی صفائی میں بولنے کی کوشش کی۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ سب جھوٹ ہے؟ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟" ملک نواز احمد نے اسے بولنے کے لیے موقع دیا تھا' لیکن قاسم علی بے بس تھا اس کے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں تھا کہ وہ اپنی صفائی دینے کے لیے کچھ کہتا۔۔۔ اس کا دماغ بند ہو رہا تھا جب اچانک ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق اسے زرنگاہ کا خیال آیا تھا۔ زرنگاہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تیر رہی تھی۔

"آپ۔۔۔ آپ زرنگاہ بی بی سے پوچھ لیں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ یہ تھوڑی دیر پہلے میرے پاس ہی تھیں' میں انہیں پڑھا رہا تھا کہ باہر سے قندیل بی بی نے انہیں بلا لیا اور ان کو بھیج کر یہ خود اندر آ گئیں۔ زرنگاہ بی بی! بتایئے ناں آپ' میں' میں سچ کہہ رہا ہوں' میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ پلیز! بتایئے ملک صاحب کو میں بے قصور ہوں۔ میرا دامن' میرا کردار صاف ہے۔ میری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ میرا ضمیر زندہ ہے۔ آپ' آپ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں' میں ایسا نہیں ہوں' زرنگاہ بی بی! خدا کے لیے ایک بار بولیے تو سہی۔"

قاسم علی اپنے جسم پہ پڑنے والی مار کے لیے نہیں بلکہ کردار پہ لگنے والے داغ کے لیے تڑپ رہا تھا وہ ایسا نہیں تھا لیکن اسے ایسا بنایا جا رہا تھا۔ دوسروں کی نظروں میں گرایا جا رہا تھا۔ ملک نواز احمد اس پہ بھروسا کر کے اسے اس حویلی میں لائے تھے تو اب اس حرکت کے بعد وہ کیا سوچیں گے۔۔۔؟ قاسم علی یہی سوچ کر پاگل ہو رہا تھا۔

"زرنگاہ بی بی! آپ چپ کیوں ہیں؟ بولیے نا' بتایئے سب کو کہ یہ سب جھوٹ ہے۔"

قاسم علی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا لیکن زرنگاہ نے کچھ بھی نہیں کہا' بلکہ خاموشی سے نظریں جھکا کر سر بھی جھکا لیا تھا اور اس کی جھکی نظر اور خاموشی نے قاسم علی کو ساکت کر دیا تھا۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے کھڑی زرنگاہ کو بے یقین نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ نجانے کیوں اتنے بہت سارے لوگوں میں قاسم علی کو لگا تھا کہ وہ اس کا ساتھ دے گی۔ وہ سچ بولے گی' وہ چپ نہیں رہے گی' لیکن۔۔۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ گنگ سا رہ گیا۔

اور زرنگاہ کی چپ اور جھکی گردن دیکھ کر ملک نواز احمد کو بھی یقین کرنا پڑا کہ قاسم علی غلط ہے اور قندیل واقعی صحیح کہہ رہی ہے۔۔۔ یہاں سارے ایک ہی ضمیر کے لوگ تھے' قاسم علی اکیلا بھلا کیا کرتا؟

"سن لیا زرنگاہ بی بی کا جواب؟" ملک امتیاز احمد نے اپنی بندوق اتارتے ہوئے بندوق کا بٹ اس کے کندھوں پہ دے مارا۔ قاسم علی منہ کے بل فرش پہ گرا۔ زرنگاہ بے ساختہ کچھ چیخنے لگی تھی کہ کوکب اسے کھینچتی ہوئی وہاں سے باہر لے گئی' پھر بارش کا زور تھا اور ملک امتیاز کا قہر جو قاسم علی نے اپنے وجود پہ سہا تھا' وہ تو شاید اسے جان سے ہی مار دیتے لیکن اسی وقت علاقے کے ایم پی اے کے آنے کی اطلاع ملی۔ وہ اسے چھوڑ کر باہر چلے گئے۔

قاسم علی کے منہ اور ناک سے بہنے والا خون حویلی کے ڈرائنگ روم' راہداری اور روش کو بھی رنگین کرتا گیا۔ ملازمین اسے حویلی سے مارتے ہوئے مولوی صاحب کے گھر تک لائے تھے اور اسے لا کر مولوی صاحب کے قدموں میں پھینک دیا تھا۔۔۔ مولوی صاحب الگ اس افتاد پہ گھبرائے ہوئے کھڑے تھے۔ اب گاؤں میں رہنا ممکن نہیں تھا۔ وقتی طور پر اس کی جان بچ گئی تھی لیکن ملک امتیاز اسے زندہ نہ چھوڑتے۔ مولوی صاحب نے رات کی تاریکی میں چپکے سے گاؤں چھوڑ دیا تھا۔ قاسم علی کو نیم بے ہوشی کی حالت میں بس کے اڈے تک اس کے دوست نے اپنے تانگے میں چھوڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایس پی قاسم علی کے آفس میں گہری اور دبیز خاموشی کا راج تھا۔

آج دس سال بعد بھی وہ اس کے سامنے خاموش اور سر جھکائے بیٹھی تھی‘ وہ زندگی بھر اپنے آپ کو قاسم علی کا سامنا کرنے کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ لیکن قدرت نے یہ سامنا کروا ہی دیا تھا اور کروایا بھی اس وقت تھا جب زرنگاہ نواز بے بسی کی حالت میں تھی بالکل ایسی بے بسی جیسی آج سے دس سال پہلے قاسم علی پہ تھی۔

وہ وقت‘ وہ منظر آج بھی قاسم علی کو یاد آجاتے تھے تو وہ نئے سرے سے زخمی اور لہولہان ہو جاتا تھا۔ اس کی کنپٹی کی رگیں تن جاتی تھیں اور وہ اپنے دل و دماغ میں اٹھتی قیامت کو بمشکل دبا پاتا تھا۔ اس وقت بھی اس کے اندر اک قیامت کا اشتعال اٹھ رہا تھا لیکن وہ بھی آخر قاسم علی ہی تھا۔ بہت کچھ سہہ کر بھی صبر اور برداشت کرنے والا‘ کیونکہ مولوی امام دین نے بچپن سے لے کر اب تک اسے صبر کرنا ہی تو سکھایا تھا۔

"بیوے کو تاؤ۔" اس کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی سخت ہو چکا تھا۔

"جی سر!" وہ کہہ کے پلٹ کر چلا گیا تھا اور قاسم علی کی توجہ دوبارہ زرنگاہ کی سمت مرکوز ہو چکی تھی۔

"جی خاتون! کہیے کیا واقعہ پیش آیا ہے آپ کے ساتھ؟" وہ اپنے پروفیشنل روپ میں ڈھل چکا تھا۔۔۔ زرنگاہ نے چونک کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا۔ وہ بہت بے تاثر سے انداز میں اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"دیکھیے خاتون! آپ کی خاموشی میرا ٹائم ویسٹ کر رہی ہے۔ آپ کے مسئلے کے علاوہ بھی ہزاروں مسائل ہیں اس پولیس اسٹیشن میں۔ ہمیں سب کو ٹائم دینا ہوتا ہے۔ آپ پلیز ذرا جلدی بتا دیں کہ آپ کو کیا پریشانی ہے۔۔۔؟ وہ لوگ کون تھے جو آپ کا پیچھا کر رہے تھے۔۔۔؟"

وہ اس وقت صرف قاسم علی نہیں‘ بلکہ ایس پی قاسم علی تھا‘ آن ڈیوٹی تھا‘ اس لیے اسے اس وقت ڈیوٹی ہی نبھانی تھی۔

"وہ لوگ مجھے جان سے مارنا چاہتے تھے اس لیے میرا پیچھا کر رہے تھے۔۔۔" بالآخر زرنگاہ کو اپنی شرمندگی کے باوجود زبان کھولنی پڑی تھی۔

"لیکن وہ لوگ ہیں کون؟" وہ پوری توجہ سے سن رہا تھا۔

"ان میں ایک میرے تایا جی کا بیٹا ہے اور دو اس کے آدمی ہیں۔" اس نے تایا جی کے بیٹے کا کہتے ہوئے سر جھکا لیا تھا۔

"ہوں ٹھیک۔۔۔ ٹھیک! لیکن وہ آپ کو مارنا کیوں چاہتے ہیں؟" قاسم علی پوری تفتیش کر رہا تھا۔

"وہ جائیداد میں میرے حصے پہ بھی قابض ہونا چاہتے ہیں۔ میرے دادا جان نے آج سے کئی سال پہلے ہی جائیداد کا بٹوارہ کر دیا تھا۔ آدھی جاگیر اور جائیداد تایا جی کے نام کر دی اور آدھی میرے بابا کے نام کر دی‘ لیکن تایا جی کو یہ بٹوارہ پسند نہیں آیا تھا۔ وہ دادا جان اور میرے بابا سے اکثر متنفر ہی رہتے تھے حالانکہ بابا نے کبھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ بس اپنی ذات میں گم رہنے والے آدمی تھے۔ امی کی ڈیتھ کے بعد انہوں نے ہر چیز سے اپنی دلچسپی ختم کر لی تھی۔ وہ اگر کسی کے بارے میں سوچتے تھے تو وہ صرف میں تھی۔ انہوں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا‘ لیکن تایا جی نے آج تک ہر ایک کا برا ہی چاہا ہے۔ پانچ سال پہلے دادا جان کی ڈیتھ ہوئی تو بابا اور بھی اکیلے ہو گئے۔ تایا جی کو بھی چھوٹ مل گئی تھی۔ وہ انہیں اندر ہی اندر سلو پوائزن دیتے رہے‘ یہاں تک کہ انہوں نے بابا کی جان لے لی۔"

زرنگاہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولا اٹک گیا۔ وہ بات کرتے کرتے لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئی تھی اور ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگی کیونکہ وہ اس وقت قاسم علی کے سامنے بیٹھ کر آنسو بھی نہیں بہانا چاہتی تھی۔ وہ سامنے بیٹھا اس کے مزید بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"چھ ماہ پہلے ہی بابا جان کی ڈیتھ ہوئی ہے اور مجھے ماہ ہو چکے ہیں اپنے بابا کے قاتلوں کے ساتھ ر ہوئے۔ میرے بابا مجھے بہت سمجھاتے تھے کہ دنیا ظالم ہے‘ یہاں کوئی کسی کا نہیں ہے‘ لیکن میں‘



...ں نہیں تھی۔ تایا جی کے دو بیٹے تھے دونوں ہی پڑھنے کے لیے ملک سے باہر گئے ہوئے تھے۔ تایا جی کسی ایک بیٹے کے لیے بابا سے میرا ہاتھ مانگنا چاہتے تھے لیکن بابا نے صاف انکار کر دیا‘ کیونکہ وہ اپنے دونوں بھتیجوں کی بد مزاجی اور رنگین مزاجی کو جانتے تھے۔ ان دونوں نے امریکا میں شادیاں کر رکھی تھیں اور ابھی نجانے اور کتنی شادیوں کا ارادہ تھا۔ اس لیے بابا نے تایا جی کے بیٹے کا پرپوزل ٹھکرا دیا۔ وہ میری شادی کسی اچھی جگہ کرنا چاہتے تھے۔ کسی شریف اور عزت دار گھرانے میں‘ لیکن اسی دوران ان کی ڈیتھ ہو گئی۔ ان کی ڈیتھ کے دو ماہ بعد ہی تایا جی نے مجھے شادی کے لیے مجبور کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنے بڑے بیٹے کو بھی مجھ سے شادی کے لیے تیار کر لیا تھا اور واپس پاکستان بلا لیا تھا تاکہ میری شادی کسی اور سے نہ ہو اور جائیداد کا آدھا حصہ کسی اور کے حق میں نہ چلا جائے ۔۔۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ جس رشتے کے لیے میرے بابا راضی نہیں ہوئے تھے‘ اس کے لیے میں بھلا کیسے راضی ہو سکتی تھی۔۔۔؟

اپنے بابا کی طرح میں نے بھی صاف انکار کر دیا‘ جس پہ وہ مشتعل تو ہوئے ۔۔۔ لیکن میرے سامنے اپنا غصہ دبا گئے۔ انہوں نے مجھے لاڈ پیار‘ بلکہ ہر ممکن طریقے سے آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میرا انکار‘ انکار ہی رہا تھا‘ جس پہ انہوں نے میرے لیے بھی اندر ہی اندر پلان بنانا شروع کر دیا۔ وہ مجھے گاؤں میں بھی جان سے مار سکتے تھے لیکن اس طرح سارا الزام انہی پہ آجاتا‘ اسی لیے انہوں نے میری موت کے لیے بھرے شہر آنے کا انتظار کیا تھا۔ آج میری ایک دوست کی شادی تھی۔ تایا جی کا بہت اصرار تھا کہ مجھے اس کی شادی میں ضرور شرکت کرنی چاہیے‘ اس لیے مجھے آنا ہی پڑا۔ شادی کا فنکشن تھوڑا لیٹ تھا۔ میں ابھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ میں نے سوچا میں اپنی دوسری فرینڈز سے فون کر کے پوچھ لوں کہ وہ گھر سے کب نکل رہی ہیں۔۔۔ اور یہی پوچھنے کے لیے میں فون کے پاس آئی اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا تھا لیکن وہ سب کچھ جو میں پہلے کبھی نہیں جانتی تھی‘ وہ سب ایک پل میں جان گئی تھی۔"

☼ ☼ ☼

"لیکن بابا جان! بشیر کا کیا ہوگا۔۔۔؟" ملک امتیاز احمد کے بیٹے ملک توقیر احمد کی آواز قدرے پریشان تھی۔

"بشیر کا بھی وہی ہوگا جو زرنگاہ کا ہوگا۔" ملک امتیاز احمد کی آواز انتہائی سفاک اور بے رحم محسوس ہو رہی تھی۔

"کیا؟ لیکن بابا جان بشیر اپنا آدمی ہے۔ آپ کوئی اور طریقہ سوچ لیں‘ جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ زرنگاہ کا ایکسیڈنٹ کسی اور طریقے سے بھی تو کروایا جا سکتا ہے نا؟"

ملک توقیر احمد کی واضح بات پہ زرنگاہ ایک پل کے لیے تو سر تاپا کانپ اٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔۔۔

"کسی اور طریقے سے ہوگا تو ڈراما لگے گا۔ اس طرح دونوں موقع پہ ہلاک ہوں گے تو کسی کو ہم پہ شک بھی نہیں ہوگا۔ لوگ یہی کہیں گے کہ ڈرائیور بھی ساتھ ہی ہلاک ہو گیا۔" ملک امتیاز احمد نے ہر بات کا جواب پہلے سے سوچ رکھا تھا لیکن ملک توقیر احمد ہر پہلو کا جائزہ لے رہا تھا۔

"اور اگر وہ اس ایکسیڈنٹ کے باوجود بچ گئی تو۔۔۔"

وہ تصویر کا دوسرا رخ دکھا رہا تھا۔

"اگر وہ اس ایکسیڈنٹ کے باوجود بچ گئی تو اسے وہیں گلا دبا کر یا زہر دے کر مار دینا۔ اس کے باپ کو تو قطرہ قطرہ زہر دیا تھا‘ لیکن اسے قطرہ قطرہ زہر دینے کا ٹائم نہیں ہے۔ بہت ہو گیا انتظار۔ اسے زہر دینا ہے تو ایک ساتھ ہی دینا پڑے گا‘ بس بات ختم۔"

وہ زہر اگل رہے تھے اور زرنگاہ ساکت رہ گئی۔ اسے نہیں پتا چلا کہ کب ان دونوں کی باتیں ختم ہوئیں اور کب انہوں نے فون بند کیا۔۔۔ وہ جہاں کھڑی تھی‘ وہیں پتھرائی ہوئی کھڑی رہی اس کا پورا جسم ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ایسے ہولناک اور بھیانک انکشاف پہ سب کچھ

بھول چکا تھا، وہ انتظار میں تھے کہ کب وہ تیار ہو کر باہر نکلے اور کب اس کی موت کی خبر سننے کو ملے' ملک امتیاز احمد گاؤں میں تھے اور وہیں بیٹھے ساری ہدایات دے رہے تھے۔ شہر والے گھر میں اس وقت فاخرہ بیگم، کوکب، زرنگاہ اور توقیر احمد موجود تھے۔ وہ دونوں ماں بیٹی اپنی شاپنگ کرنے کے لیے شہر آئی تھیں اور زرنگاہ شادی میں شرکت کے لیے آئی تھی ملک توقیر احمد ان لوگوں کے ساتھ آیا تھا کہ وہ تینوں اکیلی نہ ہوں' مگر زرنگاہ کو تو اب پتا چلا تھا کہ ان لوگوں کا اصل مقصد کیا تھا۔۔۔؟

"نگاہ۔۔۔! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔۔۔؟! اتنا ٹائم ہو رہا ہے' جانا کب ہے تمہیں۔" ملک توقیر احمد نے دروازے پہ دستک دے کر کہا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے ٹیبلٹ لی ہے۔ تھوڑی دیر تک تیار ہو کر آتی ہوں۔" نجانے زرنگاہ کے ذہن میں کیا سمائی کہ اس نے فوری بہانہ کر دیا۔

"تم اتنا لیٹ ہو رہی ہو تو واپس کب آؤ گی؟" ملک توقیر احمد کے ساتھ ساتھ باقی سب کو بھی اس کے جانے کی جلدی تھی۔

"جلدی آجاؤں گی۔۔۔ مجھے کون سا زیادہ دیر بیٹھنا ہے وہاں۔" زرنگاہ بمشکل اندر سے ہی اسے جواب دے رہی تھی۔

"اچھا! پھر دس منٹ تک آجاؤ تیار ہو کر۔" ملک توقیر احمد کہہ کر وہاں سے ہٹ گیا۔ زرنگاہ نے گہری سانس کھینچی۔

اس کے پاس اب صرف دس منٹ تھے اور جو بھی بچاؤ کرنا تھا وہ انہی دس منٹ میں کرنا تھا اور بہت سوچنے کے بعد بھی اسے بھیڑیوں کے اس شکنجے سے بچنے کا کوئی حل نظر نہیں آیا۔ وہ بہت ہمت اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دبے پاؤں اپنے بیڈ روم سے باہر آئی اور یونہی دبے پاؤں سیڑھیاں اترتی ہوئی ڈرائنگ روم کے پیچھے کی طرف کھلنے والے دروازے سے نکل کر پچھلے لان میں آگئی۔ پچھلے لان میں ایک چھوٹی میز اور چار کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے بہت تیزی میز کھینچ کر دیوار کے ساتھ رکھی اور اس کے اوپر اور کرسی رکھ کے وہ دیوار پہ چڑھنے میں کامیاب ہو لیکن اسے دیوار پہ چڑھتے ہوئے لیمپ پوسٹ روشنی میں فاخرہ بیگم نے دیکھ لیا۔ ان کے کمرے کھڑکی پچھلے لان میں ہی کھلتی تھی اور وہ کھڑکی قریب کھڑی کوکب سے سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں جب اچانک نظر دیوار پہ جا پڑی تھی۔ انہوں نے یکدم شور مچایا کیونکہ وہ حلیے سے اندھیرے کے باوجود پہچان چکی تھیں کہ وہ زرنگاہ ہی ہے۔۔۔ لیکن ملک توقیر احمد کے ہوشیار ہونے تک وہ دیوار کی دوسری سمت پھلانگ چکی تھی۔ ملک توقیر احمد اپنے دو آدمیوں کے ساتھ کی طرح گھر سے نکلا۔۔۔ اتنے میں وہ وہاں سے بھاگ چکی تھی ملک توقیر احمد بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

وہ اندھا دھند بھاگتی ہوئی پہلے دائیں سمت بھاگتی رہی پھر بائیں سمت مڑ گئی۔ وہ لوگ بھی اس کے پیچھے ہی آ رہے تھے۔ وہ اس ٹاؤن کے ایک حصے سے بھاگتی ہوئی دوسرے حصے میں آچکی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ کونے والے بنگلے کے ارد گرد پولیس ناکہ لگا ہوا ہے۔ بدحواسی میں بھاگتی ہوئی اس بنگلے کے پیچھے کی طرف مڑی ہی تھی کہ یکدم سامنے آجانے والے ایس پی قاسم علی سے ٹکرا گئی اور ایس پی قاسم علی نے اس کے پیچھے آنے والوں کو بھی فوری گرفتار کروا لیا۔۔۔!

☆ ☆ ☆

ایس پی قاسم علی کے آفس میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی۔

زرنگاہ اسے سب کچھ بتا کر ایک بار پھر خاموش، چپ ہو چکی تھی۔

"میں اس بات پہ کیسے یقین کر لوں کہ آپ جو کہہ رہی ہیں' وہ سب سچ ہے۔۔۔؟" قاسم علی کی بات پہ زرنگاہ کے منہ پہ ایک طمانچہ پڑا تھا۔ وہ تڑپ کے' مچل کے رہ گئی۔

"ایس پی صاحب! آپ کا حق بنتا ہے کہ آپ میری سچ بات کو بھی جھوٹ قرار دے دیں۔ مجھے اس پہ کوئی افسوس نہیں کرنا چاہیے۔" زرنگاہ نے سر جھکا لیا۔

"دیکھیے خاتون! آپ ادھر ادھر کی باتیں نہ چھیڑیں۔ آپ اپنے موجودہ مسئلے پہ دھیان دیں۔ کیا آپ ملک توقیر احمد اور ملک امتیاز احمد کے خلاف مقدمہ درج کروانا چاہتی ہیں یا نہیں؟" قاسم علی نے اسے تلخی سے منع کرتے ہوئے محض کام کی بات پوچھی تھی۔

"نہیں۔۔۔!" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انکار کر دیا۔

"کیوں۔۔۔؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"کیونکہ میں اس وقت بالکل خالی ہاتھ ہوں۔ میرے پاس نہ تو سر چھپانے کے لیے چھت ہے اور نہ ہی پیٹ بھرنے کے لیے روٹی یا پیسہ ہے۔ میرے بابا کے سوا میرا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں کسی کے پاس رہ بھی نہیں سکتی کیونکہ کوئی رشتہ دار' کوئی اپنا نہیں ہے اور جو ہیں وہ سب تایا جی کے جاننے والے ہیں۔ ایسے میں میں کوئی کیس کیسے لڑ سکتی ہوں بھلا؟" زرنگاہ نے کافی سمجھداری کا ثبوت دیا تھا۔

"اور بغیر کسی کیس کے میں ملک توقیر احمد کو حوالات میں بند نہیں رکھ سکتا اور دوسری طرف آپ بھی سوچ لیں کہ اگر ملک توقیر احمد حوالات سے نکل گئے تو آپ کی زندگی دوبارہ خطرے میں پڑ سکتی ہے' کیونکہ آپ کے پاس چھپنے کے لیے کوئی چھت نہیں ہے اور نہ ہی پیٹ بھرنے کے لیے روٹی یا پیسہ ہے۔"

قاسم علی نے اسے آئندہ کے متوقع حالات سے آگاہ کیا تھا۔ زرنگاہ چند ثانیے کے لیے خاموش رہ گئی تھی۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ ملک توقیر احمد دوبارہ مارنے کی کوشش کر سکتا تھا اور وہ بھلا کہاں چھپ سکتی تھی؟ کیسے اپنی جان بچا سکتی تھی؟! اسے ہر طرف ہی خطرہ لاحق تھا۔

"آپ مجھے سوچنے کے لیے چوبیس گھنٹے کا ٹائم دے سکتے ہیں؟" وہ تذبذب کا شکار تھی۔

"جی ہاں! دے سکتا ہوں' لیکن صرف چوبیس گھنٹے کا' کیونکہ اس سے زیادہ میں ان لوگوں کو حوالات میں نہیں رکھ سکتا۔ آپ اچھی طرح سوچ لیں' پھر مجھے بتا دیجیے گا۔ ایس ایچ او عرفان اعظم آپ کا کیس درج کریں گے۔۔۔ اب یہ آپ پہ ڈیپینڈ کرتا ہے کہ آپ کو یہ کیس درج کروانا ہے یا نہیں؟" وہ بات سمیٹتے ہوئے بولا اور کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

لیکن وہ جوں کی توں بیٹھی رہی۔ قاسم علی اب گھر جانے کے لیے تیار تھا' کیونکہ والدہ صاحبہ کی کال دوبارہ بج رہی تھی۔

"خاتون! آپ اب جا سکتی ہیں' ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد آپ سے ملاقات ہو گی۔" وہ دروازے کی طرف آگیا تھا۔

"ایس پی صاحب! آپ شاید بھول رہے ہیں کہ میرے جانے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ کوئی ٹھکانہ نہیں ہے میرا۔" زرنگاہ کی دھیمی سی آواز پہ قاسم علی کے قدم ٹھٹھک گئے۔ وہ واقعی بھول گیا تھا۔

"تو پھر کہاں جانا ہے آپ کو؟"

"یہ پتا ہوتا تو آپ سے کیوں کہتی؟" اس کے لہجے میں بے بسی کا رنگ تھا۔

"یہ آپ کا مسئلہ ہے کہ آپ کو کہاں جانا ہے اور کہاں نہیں؟ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔" قاسم علی کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"آپ مجھے ڈراپ تو کر سکتے ہیں نا؟" زرنگاہ کو سارے فیصلے خود ہی کرنے تھے' وہ بھلا اس کا ساتھ کیونکر دیتا۔

"ہوں! آئیے میرے ساتھ۔" وہ آہستگی سے کہتا ہوا سر ہلا کر پلٹا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے زرنگاہ بھی قدم بڑھا چکی تھی۔ اسے دیکھ کر پورے عملے نے سلیوٹ کیا تھا۔ وہ زرنگاہ کے آگے آگے مضبوط قدم اٹھاتا پولیس اسٹیشن کی پارکنگ میں آگیا۔ اس کا ڈرائیور گاڑی نکال چکا تھا' لیکن قاسم علی نے ڈرائیور کو گاڑی سے اترنے کا اشارہ کیا۔ اس نے فوراً ڈرائیونگ سیٹ خالی کر دی۔

قاسم علی نے خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ ساتھ ہی زرنگاہ کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا تھا۔ جیسے ہی وہ گاڑی میں سوار ہوئی۔ اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"لگتا ہے یہ کوئی خاص ہستی ہے' ورنہ ایس پی صاحب تو کبھی کسی عورت کے قریب سے بھی نہیں گزرے۔" پیچھے پولیس اہلکاروں کا آپس میں تبصرہ ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"جی! بتایئے اب؟ کہاں جانا چاہتی ہیں آپ؟" گاڑی مین روڈ پر ڈالتے ہوئے اس نے خاموش بیٹھی زرنگاہ کو مخاطب کیا۔

"دارالامان۔" وہ بے حد آہستگی سے بولی۔ قاسم علی ایک بار پھر ٹھٹک سا گیا تھا' لیکن کہا کچھ بھی نہیں تھا۔ گہری سانس کھینچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اوکے۔!" اس کا اپنا لہجہ بھی دھیما تھا۔ صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ سڑکوں پہ زندگی بیدار ہو رہی تھی۔ ملگجا سا اندھیرا لمحہ بہ لمحہ اجالوں میں تبدیل ہو رہا تھا۔

کچھ دیر پہلے بیت جانے والی رات میں کیا کچھ ہوا تھا' یہ تو وہی جانتے تھے جن پہ رات بیتی تھی۔ ایسی ہی ایک رات قاسم علی اور اس کے دادا صاحب اور دادی صاحبہ پہ بھی بیتی تھی۔ جب وہ گھر سے بے گھر ہوئے تھے۔ جب ان کے پاس سر چھپانے کے لیے چھت نہیں تھی۔ جب وہ اپنے بوڑھے دادا' دادی کے ساتھ اس شہر کی سڑکوں پہ مارا مارا پھر رہا تھا اور جب وہ ان کو اس بڑھاپے میں اپنے ساتھ ذلیل اور خوار ہوتے دیکھتا تھا تو اندر ہی اندر روتا تھا' جبکہ زرنگاہ نواز کو تو اس نے پھر تھوڑا بہت سہارا دے ہی دیا تھا۔ وہ اس وقت سڑکوں پہ بھٹک رہی ہوتی تو اسے اندازہ ہوتا کہ گھر سے بے گھر ہونا کیسا ہوتا ہے۔ کیسی اذیت ہوتی ہے اس چیز کی؟ یہ بھی اس کی اعلا ظرفی تھی کہ اس نے زرنگاہ کو سڑکوں پہ بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑا تھا۔ اسے عزت دیتے ہوئے اس کی مطلوبہ جگہ پہ چھوڑنے کے لیے رضامند ہو گیا تھا۔

"لیجیے! آ گئے دارالامان۔" اس نے ایک چھوٹے سے دارالامان کے سامنے بریک لگائے تھے۔ شاید اس لیے کہ یہاں کی انچارج سے اس کی تھوڑی بہت جان پہچان بھی تھی اور یہاں کی شہرت بھی اچھی تھی۔

زرنگاہ گاڑی سے اتری۔ اس کے ساتھ وہ بھی گاڑی سے نیچے اتر آیا۔ دارالامان کی انچارج اسے دیکھتے ہی احتراماً کھڑی ہو گئیں۔

"ارے ایس پی صاحب! آپ یہاں؟ آپ حکم کرتے میں خود حاضر ہو جاتی۔" میڈم فرخندہ بخاری اس کے احترام میں کہہ رہی تھیں۔

"تھینک یو سو مچ میڈم! اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں بس آپ کی ذمہ داری پہ ان خاتون کو چھوڑنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ انہیں محض مہمان بھی سمجھ سکتی ہیں اور مہمانوں جیسا ہی سلوک ہونا چاہیے۔ کوئی جانچ پڑتال کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ آپ ان کے ناشتے وغیرہ کا انتظام کروائیں۔ آپ سے بعد میں فرصت سے ملاقات ہو گی' اللہ حافظ۔"

قاسم علی' میڈم فرخندہ بخاری کو مختصر الفاظ میں سمجھا کر پلٹ گیا۔ اس نے جانے سے پہلے اسے اک نظر بھی نہیں دیکھا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ اس سے نظر بھی نہیں ملانا چاہتا تھا۔ اس کے دیکھتے دیکھتے ہی' آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ گھر میں تھکے تھکے قدموں سے داخل ہوا تھا' ورنہ وہ جب بھی آتا تھا اس کے قدموں کی دھمک سے دھرتی کا سینہ ہلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

"قاسم علی!" وہ کوریڈور سے گزر کر اوپر جانے والی سیڑھیوں کی سمت بڑھ رہا تھا' جب ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے سے دادا صاحب کی آواز سنائی دی تھی۔ مجبوراً وہ پلٹ کر ان کے قریب آ گیا تھا۔

"السلام علیکم!" قدم ہی نہیں اس کا لہجہ بھی تھکا تھکا سا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ کیسے ہو؟" دادا صاحب بھانپ چکے تھے کہ کچھ غیر معمولی بات ہوئی ہے' اسی لیے اس کا مزاج ایسا تپا تپا سا ہو رہا ہے۔

"ٹھیک ہوں' آپ پریشان نہ ہوں اور میں معذرت چاہتا ہوں' آپ کو کہنے کے باوجود وقت پہ نہیں پہنچ سکا' ایک مسئلے میں الجھ گیا تھا۔" اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم کہیں الجھ گئے ہو' اسی لیے اکیلے ہی نماز پڑھ لی اور مجھے تو یہ بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ تمہاری اپنی نماز بھی قضا ہو چکی ہے۔" دادا صاحب کا اندازہ بالکل درست تھا۔

"جی! آپ کا اندازہ درست ہے' میں ابھی فریش ہو کر قضا نماز ادا کرنے ہی جا رہا ہوں۔"

"ہوں' جزاک اللہ! جاؤ دیر ہو رہی ہے۔" وہ اس کا کندھا تھپک کر باقی سوالات کا ارادہ فی الحال ملتوی کرتے ہوئے خود بھی وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ اب تو وہ پہلے سے بھی زیادہ ضعیف ہو چکے تھے۔ گھر میں بھی بمشکل چلتے پھرتے تھے۔ ہمہ وقت وضو میں رہتے تھے۔ ان کا زیادہ وقت عبادت میں ہی گزرتا تھا اور یہی حال دادی صاحبہ کا بھی تھا۔ وہ بھی بے حد بوڑھی ہو چکی تھیں' البتہ ان کی صحت دادا صاحب سے قدرے بہتر تھی۔

قاسم علی نماز ادا کرنے کے بعد نیچے چلا آیا۔ صبح کے ساڑھے سات بجے تھے۔ سورج اپنے سنہرے پر پوری طرح سے پھیلا چکا تھا۔ ملازمہ ناشتا تیار کر رہی تھی' دادی صاحبہ بھی ملازمہ کے ساتھ کچن میں ہی تھیں۔ قاسم علی وہیں کچن میں چلا آیا۔

"تم یہاں؟ خیریت؟ بھوک لگ رہی ہے کیا؟" دادی صاحبہ اسے کچن میں دیکھ کر حیران ہوئیں۔

"نہیں! بس سر میں درد ہو رہا ہے' ایک کپ چائے کی طلب ہو رہی ہے۔" اس نے کنپٹی کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے کہا۔

"ہوں! ساری رات جاگتے رہے ہو نا' اس لیے' تھوڑی دیر سو جاتے تم۔" وہ اسے کہتے ہوئے چائے کا پانی چولہے پہ چڑھا چکی تھیں۔

"نہیں! اس وقت نیند نہیں آئے گی۔"

وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ اس کا رخ دادا صاحب کے کمرے کی طرف تھا۔ انہیں شاید سردی لگ رہی تھی' اس لیے دوبارہ آ کر اپنے بستر میں لیٹ گئے تھے اور قاسم علی ان کے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ فریش ہونے کے باوجود اس کی خاموشی اور تھکاوٹ کا احساس ہنوز وہیں کا وہیں تھا۔ دادا صاحب اسے دیکھ کر اٹھنے لگے' لیکن قاسم علی نے روک دیا۔

"لیٹے رہیے! باہر کافی ٹھنڈ ہے' آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" اس نے ملازمہ کے ہاتھ سے چائے کا ایک کپ لے کر دادا صاحب کی سمت بڑھا دیا اور دوسرا کپ خود تھام لیا۔

"قاسم علی! بتاؤ کیا بتانا چاہتے ہو تم؟" دادا صاحب جان چکے تھے کہ وہ کچھ الجھا ہوا ہے اور کسی کشمکش کا شکار ہے۔

"بات بہت عجیب سی ہے دادا صاحب! میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا بتاؤں آپ کو؟" قاسم علی کی عادت تھی کہ وہ دادا صاحب سے کچھ بھی نہیں چھپاتا تھا۔ اچھی بری ہر بات ان سے شیئر کرتا تھا۔

"جو مناسب لگتا ہے' وہ بتا دو' جو نہیں لگتا' وہ نہ بتاؤ۔" انہوں نے اسے حل بتایا۔ قاسم علی چند ثانیے کے لیے چپ ہو گیا' پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔

"مجھے زرنگاہ بی بی ملی تھیں۔" قاسم علی کے انکشاف پہ انہوں نے یکدم چونک کر دیکھا تھا۔

"زرنگاہ بی بی؟ ملک صاحب کی بیٹی؟" انہوں نے تصدیق کے لیے پوچھا۔

"جی۔!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر کہاں؟"

"پچھلی رات کو میرے کیس کا ایک اہم آپریشن

تھا۔"

"لیکن بیٹا! وہ وہاں کیسے تھیں؟" دادا صاحب حیران پریشان ہو رہے تھے۔

"وہ بھی اپنی جان بچانے کے لیے وہاں آئی تھیں اور اتفاقاً مجھ سے ٹکرا گئیں۔"

"پھر۔؟"

"پھر کیا؟ مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ زرنگار بی بی ہیں' میں نے ان کو ایس ایچ او کے ساتھ تھانے بھیج دیا تھا۔"

"تھانے؟ مگر کس جرم میں؟" دادا صاحب گھبرا کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"میری ذات پہ جھوٹا الزام لگانے کے جرم میں۔" وہ تلخی سے بولا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا کہہ رہے ہو تم؟" دادا صاحب کی پیشانی پہ تفکر کی لکیریں تھیں۔

"ہونہہ! دادا صاحب آپ جانتے بھی ہیں' پھر بھی مجھ سے سوال کر رہے ہیں؟ آپ کو پتا بھی ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود میں نے آج تک اس الزام کا کوئی بدلہ یا انتقام لینے کا نہیں سوچا۔ کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ تو پھر آج یہ کام کیسے کر سکتا ہوں بھلا؟" قاسم علی کی بات پہ دادا صاحب کو تھوڑی تسلی ہو گئی تھی۔

قاسم علی نے انہیں رات بھر کی پوری روداد سنا دی۔ وہ سن کر الٹا زرنگار کے لیے پریشان ہونے لگے۔

"تو اب وہ کہاں ہیں؟"

"دارالامان میں۔" وہ آہستگی سے بولا اور اسے دادا صاحب کے جس ردِعمل کی توقع تھی' وہی سامنے آیا تھا۔

"کیا؟ دارالامان میں؟" انہوں نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ سائیڈ پہ رکھ دیا تھا۔ قاسم علی بھی چائے ختم کر چکا تھا۔

"تو اور کیا کرتا؟ انہیں اپنے ساتھ گھر لے آتا؟" اسے خفگی ہوئی تھی۔

"ہاں! لے آتے۔ اس طرح یتیم اور بے سہارا لڑکی کو اکیلے دارالامان میں نہ چھوڑتے' کچھ اور نہ سہی

وہ لڑکی ہمارے گاؤں کی عزت ہے۔ ہمارے گاؤں بیٹی ہے۔ تمہاری اور میری شاگرد رہ چکی ہے۔ قرآن پاک پڑھایا تھا میں نے۔" دادا صاحب بے چین ہو رہے تھے کہ زرنگار دارالامان میں ہے۔

"معافی چاہتا ہوں دادا صاحب! آپ جیسا اعلا ظرف نہیں ہوں میں۔ اپنے دشمن' اپنے قصوروار کو سب کچھ بھول بھال کے گلے لگا لینا آسان کام نہیں ہے۔ مجھ پہ جو بیتی ہے' وہ میں جانتا ہوں میرے دامن پہ کیچڑ/داغ ہے جو آپ کو تو نظر نہیں آتا' لیکن مجھے صبح شام دکھائی دیتا ہے اس لیے تکلیف بھی مجھے ہی ہوتی ہے۔" وہ تلخی سے بولا۔ دادا صاحب ٹھہر سے گئے

"تو پھر اتنی مدد کیوں کی اس کی؟" انہوں نے نقطہ اٹھایا۔

"میں نے مدد نہیں کی بلکہ اپنا فرض پورا کیا ہے۔ ایک پولیس آفیسر ہونے کے ناتے میرا فرض بنتا تھا کہ اس کی مدد کروں' سو میں نے کر دی' بلکہ آئندہ بھی ضرورت پیش آئی تو ضرور کروں گا' لیکن ہمدردی نہیں کروں گا' ترس نہیں کھاؤں گا' رحم نہیں آئے گا۔ ایس پی قاسم علی ہی رہوں گا' کبھی قاسم علی نہیں بنوں گا۔ قاسم علی' زرنگار بی بی کی حویلی کے ڈرائنگ روم میں' جیتے جی مر گیا تھا' اب وہی قاسم علی زندہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟"

قاسم علی بہت جذباتی ہو گیا تھا۔ دادا صاحب چپ ہو گئے۔

"ٹھیک ہے! تم جاؤ' اپنا فرض نبھاؤ اور ہمیں ہمارے حال پہ چھوڑ دو۔" دادا صاحب دوبارہ لیٹ گئے اور کمبل سر تک تان لیا۔

"دادا صاحب!" قاسم علی کو اور بھی خفگی ہوئی۔

"جاؤ قاسم علی! چلے جاؤ۔ اور آئندہ ہمیں کوئی بات بھی مت بتانا۔ تمہارا نہ سہی' لیکن ہمارا ضمیر ہمیں ملامت کرنے لگتا ہے۔ ہم ضمیر پہ کوئی بوجھ نہیں سہ سکتے۔" وہ کمبل کے اندر سے ہی بول رہے تھے۔



"لیکن۔۔۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" وہ جھنجلا گیا۔

"ہم کچھ نہیں چاہتے' بس ہمیں آرام کرنے دو۔" ناراض ہو چکے تھے۔ قاسم علی کے اندر ابال اٹھ رہا تھا جو دبائے نہیں دب رہا تھا۔ دادا صاحب نے اسے ...ماکے رکھ دیا تھا۔

وہ کمرے سے باہر آ کر ڈرائنگ روم میں ٹہل رہا تھا۔ ساتھ اس کی سوچیں بھی چکرا رہی تھیں۔

صبح گیارہ بجے کا وقت تھا جب اس نے دارالامان کے سامنے گاڑی کو بریک لگائے تھے اور بریک سے پاؤں ہٹاتے ہوئے ایک بے حد گہری سانس کھینچی تھی۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے آپ پہ ضبط کر رہا ہو۔۔۔ اور اسی ضبط کے عمل میں اس کے دس پندرہ منٹ یوں ہی گاڑی میں بیٹھے بیٹھے گزر گئے تھے۔ پھر بالآخر وہ گاڑی کا دروازہ کھول کے گاڑی سے نیچے اتر آیا تھا' اس کا رخ اندر کی سمت تھا۔ دارالامان کی انچارج میڈم فرخندہ بخاری اسے دیکھ کر اپنی سیٹ سے کھڑی ہو گئیں۔

"السلام علیکم ایس پی صاحب! آپ خود بار بار زحمت کیوں کر رہے ہیں' ہمیں حکم کیجیے آپ کا ہر کام گھر بیٹھے ہو جائے گا۔" میڈم فرخندہ بخاری نے بیٹھنے کے لیے صوفے کی سمت اشارہ کیا تھا۔

"ایم سوری میڈم! میں گھر بیٹھے اپنی فون کال سے کام لینے والا آدمی نہیں ہوں۔" اس کا اشارہ سفارش والی طرف تھا۔

"یہ تو میں بھی اچھی طرح جانتی ہوں ایس پی صاحب! اگر ہر آفیسر آپ جیسا سچا کھرا' ایمان دار اور بہادر ہو جائے تو یہ پاکستان جنت سے کم نہیں ہو گا' ہم لوگوں کی بے ایمانیاں ہمارے ملک کو تباہ کر رہی ہیں۔" میڈم فرخندہ بخاری نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

"...پی ویسے! آپ بتائیں کیا لیں گے' ٹھنڈا یا ...؟" انہوں نے میزبانی کے آداب نبھائے۔

"تھینکس میڈم! میں بس جن خاتون کو چھوڑ کر گیا تھا' انہیں لینے کے لیے آیا ہوں۔" اس نے اپنے آنے کا مقصد بتایا۔

"جی ضرور! آپ بیٹھیے' میں خود انہیں لے کر آتی ہوں۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئیں۔

تھوڑی دیر بعد ہی زرنگار نے اندر قدم رکھا۔ دن کے اجالے میں وہ اور بھی فریش اور نکھرا نکھرا سا نظر آ رہا تھا۔ سفید شلوار قمیص میں ملبوس' بلیک کھیڑی پہنے' صوفے پہ براجمان وہ کسی ریاست کا حکمران لگ رہا تھا۔ پہلے اس کے چہرے پہ ہلکی ہلکی شیو ہوتی تھی' لیکن اب اس کے رخسار صاف ستھرے تھے' البتہ اس کی گھنی مونچھیں اس کے چہرے پہ بہت سج رہی تھیں۔ ان دس سالوں میں اس کی صحت اور قدو قامت قابلِ رشک حد تک اچھا ہو چکا تھا' جبھی تو زرنگار اسے پہلی نظر میں پہچان نہیں پائی تھی اور اب اس سے نظر نہیں ہٹا پا رہی تھی۔ قاسم علی اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم۔۔۔"

"وعلیکم السلام!" زرنگار نے اپنی محویت سے چونکتے ہوئے جواب دیا۔

"میں آپ کو لینے کے لیے آیا ہوں۔"

"آپ؟" زرنگار کو یک دم بے یقینی کا جھٹکا لگا تھا۔

"جی! وہ دراصل دادا صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔" اس نے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ خود سے اسے لینے کے لیے نہیں آیا۔

"مگر۔۔۔" زرنگار تذبذب میں پڑ گئی۔

"آپ نے جو بھی اگر مگر کرنا ہے ان سے جا کر کیجیے گا' میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔"

وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا' مجبوراً زرنگار کو اس کے پیچھے قدم بڑھانے پڑے۔ وہ اس کے پہنچنے تک اپنی گاڑی نکال چکا تھا' زرنگار خاموشی سے آ کر اس کے برابر والی سیٹ پہ بیٹھ گئی۔

قاسم علی اسے رات سے بھی زیادہ سرد و سپاٹ نظر آ رہا تھا۔ زرنگار اس کے تاثرات دیکھ کر ہی پہچان گئی تھی کہ وہ واقعی دادا صاحب کے دباؤ میں آ کر اسے لینے

کے لیے آیا ہے' ورنہ اس کام میں اس کی اپنی کوئی مرضی شامل نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو وہ اسے پہلے کیوں دارالامان میں چھوڑ کر جاتا؟ بلکہ اسی وقت اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتا؟ لیکن پھر بھی مولوی صاحب کا اور اس کا احسان تھا کہ وہ اسے دارالامان کے بجائے اپنے گھر لے آئے تھے۔

قاسم علی کی گاڑی سیدھی اپنے گھر کے پورچ میں آکر رکی تھی۔

"آیئے!" وہ اسے کہتا ہوا اندر کی سمت بڑھ گیا۔ کوریڈور سے گزر کر وہ دائیں طرف مڑ گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی پھر وہ سامنے نظر آتے بیڈ رومز میں سے ایک کے سامنے رک گیا تھا اور دستک دے کر اندر داخل ہوا تھا۔

"السلام علیکم دادا صاحب!" اس کی آواز اور لہجے کی سنجیدگی پہ دادا صاحب بھی یکدم چونک گئے تھے۔ انہوں نے تسبیح والا ہاتھ روکتے ہوئے گردن موڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ قاسم علی کے ساتھ ہی کوئی لڑکی کھڑی تھی اور یہ لڑکی کوئی اور نہیں زرنگاہ نواز تھی' وہ اک لمحے میں جان گئے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر زرنگاہ سے ملتے' قاسم علی خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔ وہ دونوں دیکھتے رہ گئے۔

وہ دادا صاحب کی وجہ سے اسے اپنے گھر تو لے آیا تھا' لیکن اس کا غصہ اور ناگواری ہنوز تھی۔

☼ ☼ ☼

شام آٹھ بجے کا وقت تھا۔

وہ میڈیا والوں کے گھیرے میں تھا' جب اس کے موبائل فون پہ دادا صاحب کی کال آئی تھی۔

"آدھے گھنٹے کے اندر اندر گھر پہنچو۔" سلام دعا کے بعد انہوں نے حکم دیا اور فون بند کر دیا۔

"دادا صاحب!" لیکن فون بند ہو چکا تھا وہ پریشان ہو گیا۔۔۔ اس نے مختصر الفاظ میں بات سمیٹی اور ان سب سے معذرت کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"لیکن ایس پی صاحب! آپ یہ تو بتا دیں کہ آپ نے اس کیس پہ کتنا عرصہ کام کیا ہے؟" ایک نے رپورٹر نے سوال پوچھتے ہوئے مائیک اس کے سامنے کر دیا۔

"تین مہینے۔۔۔" اس کا جواب مختصر تھا۔

"جو لڑکیاں بازیاب ہوئی ہیں' ان کے بارے میں کچھ بتانا چاہیں گے آپ؟" دوسرا کھوجتا ہوا سوال دائیں طرف سے سنائی دیا تھا۔

"نہیں! کیونکہ میں غریب اور شریف والدین کی عزت نہیں اچھالنا چاہتا۔ ان لڑکیوں کو انویسٹی گیشن کے بعد ان کے گھر پہنچا دیا جائے گا۔ کسی کی غلطی اور نادانی کی تشہیر نہیں کی جائے گی۔" وہ کافی عجلت میں مگر سمجھداری سے جواب دے رہا تھا۔

"لیکن ایس پی صاحب! اس سے تو یہ سمجھا جا رہا ہے کہ کوئی بھی لڑکی بازیاب نہیں ہوئی' آپ محض اپنا کارنامے میں جان ڈالنے کے لیے ایسا کہہ رہے ہیں۔" تیسرا نقطہ نظر بھی سامنے آگیا تھا۔

"کوئی بات نہیں' جس کے جی میں جو آتا ہے' وہ کہے اور سمجھے' مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے ضمیر اور میری گورنمنٹ کو تو پتا ہے ناکہ میں نے کیا کیا اور کیا نہیں؟ اگر کسی شریف کی عزت اچھال کر اور اسے دنیا کے سامنے شرمندہ کر کے مجھے کریڈٹ ملتا ہے تو مجھے یہ کریڈٹ نہیں چاہیے۔ میں کسی کی بہن' بیٹیوں کی عزت اور عیب سے پردہ نہیں ہٹا سکتا۔ کون اچھا ہے اور کون برا' یہ اوپر والا دیکھ رہا ہے۔ دشمن' ہمارے ملک کا دشمن ہمارے شکنجے میں ہے' ہاں! اسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی کیونکہ اس سارے پھیلاوے کی جڑ وہی ہے۔ وہ اپنے ہر اعتراف کرے گا اور سب کے سامنے کرے گا۔ یہ اپنے عوام' اپنے شہریوں سے وعدہ ہے۔"

قاسم علی نے سب کو اطمینان سے جواب دیا' وہاں سے ہٹ گیا۔ اسے اس وقت بس گھر پہنچنے کی جلدی تھی' کیونکہ دادا صاحب نے جس انداز سے اسے گھر پہنچنے کے لیے حکم دیا تھا' وہ انداز کافی غیر معمولی تھا۔ وہ بہت کم اس طرح بات کرتے تھے



دوسری بات کہ زرنگاہ بھی ان کے گھر پہ تھی۔ وہ اس کی طرف سے بھی پریشان ہو چکا تھا کہ اسے کوئی مسئلہ نہ ہو گیا ہو۔۔۔ وہ بہت رش ڈرائیو کرتے ہوئے گھر پہنچا تھا۔

☼ ☼ ☼

قاسم علی ششدر سا کھڑا دادا صاحب اور مولوی صاحب کے چہرے دیکھ رہا تھا اور زرنگاہ قاسم علی کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

اس کے چہرے سے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے بجلی کے ننگے تار کو اس کے جسم پہ لپیٹ دیا ہو اور اس کی رنگت نیلی پیلی ہو گئی ہو۔ دادا صاحب کے کمرے میں موت کا سا سکوت تھا' وہاں موجود چاروں نفوس اتنے خاموش تھے جیسے زمین میں اتر گئے ہوں۔

"سمجھ لو! کہ یہ ہماری زندگی کی آخری خواہش ہے۔ اس کے بعد کبھی تمہیں کچھ ماننے کو کہا' تم بے شک ہمیں اس گھر سے نکال دینا۔ ہم سے ہر رشتہ توڑ لینا' ہماری عزت' ہمارا احترام مت کرنا' دھتکار دینا ہمیں' لیکن خدا کے واسطے اس خواہش سے انکار نہ کرنا۔ یہ ہماری تو خواہش ہے' لیکن کسی کی مجبوری ہے بیٹا! مجبوری میں اس بچی کا ساتھ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دے گا۔ دیکھ لینا! یہ بات پتھر پہ لکیر ہے۔ خدا اپنے وعدوں کے خلاف کچھ نہیں کرتا۔"

دادا صاحب کی آواز نے اس خاموشی کا تسلسل توڑا تھا۔ قاسم علی ابھی تک دم بخود سا انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ دادا صاحب اسے کس آزمائش میں ڈال رہے ہیں' کس طرح اس کی برداشت آزما رہے ہیں' کیوں وہ اس کے صبر کا امتحان لے رہے ہیں؟ آخر کیوں؟

حالانکہ وہ جانتے بھی تھے کہ وہ آج سے دس سال کس اذیت اور کس کرب سے گزرا تھا' کیسی ذہنی اذیت سہی تھی اس نے۔۔۔ اور اس کے باوجود وہ اس ایسی خواہش کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ کیسے اس لمحہ پہ سر تسلیم خم کر دیتا؟ آخر کیسے؟

"اگر تم اس بات سے انکار کرتے ہو تو بھی ہم آئندہ تمہیں کچھ ماننے کے لیے نہیں کہیں گے۔ کچھ بھی نہیں منوائیں گے تم سے۔ بس یہ آخری خواہش' آخری فیصلہ ہے' چاہو تو مان لو' چاہو تو۔۔۔"

انہوں نے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

قاسم علی پلٹ کر وہاں سے نکلا اور دندناتا ہوا اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد زرنگاہ بھی جیسے ہوش میں آگئی تھی۔

"مولوی صاحب! یہ آپ نے کیا کہہ دیا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟"

"یہ ہو سکتا ہے بیٹا! اور اس میں تمہاری ہی بھلائی ہے۔۔۔ اور ہاں! اب ہم تمہارے لیے مولوی صاحب نہیں' دادا صاحب ہیں' جیسے قاسم علی کے دادا صاحب ہیں۔" انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ زرنگاہ کا سر جھک گیا اور یہ سر شرم کی وجہ سے نہیں' شرمندگی کی وجہ سے جھکا تھا۔ وہ لوگ اس کی وجہ سے گاؤں سے نکالے گئے تھے۔ اگر وہ قاسم علی کے حق میں بول دیتی تو یقیناً" آج صورت حال کچھ اور ہوتی' لیکن پھر بھی ان کا ظرف اور بڑا پن تھا کہ وہ اس کا ساتھ دے رہے تھے' بلکہ اپنے پوتے کے سامنے ڈٹ گئے تھے۔ زرنگاہ تو ان کے سامنے سر اٹھانے کے بھی قابل نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼
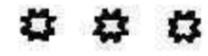
رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا۔

ایس ایچ او عرفان اعظم اور ڈی ایس پی اظہر خان اس کے گھر کے ڈرائنگ روم میں بطور گواہ موجود تھے اور ایس پی قاسم علی ان گواہوں کی موجودگی میں نکاح نامے پہ دستخط کر رہا تھا۔ وہ لوگ بھی اس ایمرجنسی نکاح پہ حیران تھے' لیکن کوئی سوال کرنے کی جرات نہیں تھی ان میں۔۔۔ نکاح کے بعد سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے' اس دعا میں سب سے زیادہ خوش مولوی صاحب تھے' جیسے ہی سب نے دعا کے بعد چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے آمین کہا' مولوی صاحب نے اونچی آواز میں سب کو مبارک باد دی اور قاسم علی کو

گلے لگالیا۔ اس کا سرد و سپاٹ چہرہ سب ہی کو نظر آرہا تھا۔

مولوی صاحب نے خوب سب کا منہ میٹھا کروایا۔ قاسم علی اندر سے کافی چپ چپ سا تھا' بالآخر ساڑھے بارہ بجے کے قریب سب نے واپسی کے لیے اجازت چاہی تھی۔ قاسم علی انہیں رخصت کرکے گیٹ تک آیا تھا اور پھر باہر لان میں ہی ٹہلنے لگا۔ لیکن آخر کب تک؟ کبھی نہ کبھی تو اندر جانا ہی تھا؟ اس کا سامنا بھی ہونا تھا؟ تو پھر وہ کب تک اس طرح اپنے غصے اور ناگواری کا اظہار کرتا؟ اس لیے بہتر تھا کہ جو کچھ بھی ہے' اس کا سامنا کرلیا جائے۔ اس نے قدم اندر کی سمت بڑھا دیے۔

"رکو قاسم علی! کہاں جارہے ہو؟" اس نے پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا ہی تھا کہ دادی صاحبہ کی آواز پہ ٹھٹک کے رک گیا تھا۔

"اپنے کمرے میں جارہا ہوں' خیریت؟" اس نے گردن موڑ کر دادی صاحبہ کی سمت دیکھا تھا اور ان کے ساتھ کھڑی زرنگاہ کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ خیریت نہیں ہے۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

"اپنی دلہن کو تو لیتے جاؤ' کیا اسے یہیں چھوڑ جاؤ گے؟" دادی صاحبہ جان بوجھ کے مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"یہ دلہن آپ کی خواہش ہے' آپ کے پاس ہی اچھی لگے گی۔"

قاسم علی کے جواب پہ دادی صاحبہ کی مسکراہٹ غائب ہوگئی اور زرنگاہ کا ڈوب مرنے کو دل چاہا تھا۔

"قاسم علی! یہ کیا بدتمیزی ہے؟" انہوں نے ناگواری سے کہا۔

"یہ بدتمیزی ہے دادی صاحبہ؟" اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"اچھا! ٹھیک ہے' جو بھی ہے یہیں ختم کرو' رات بہت ہورہی ہے' تم بھی کل رات سے نہیں سوئے اور دلہن بھی اس مصیبت میں پڑ کے مسلسل جاگ رہی ہے' اس لیے باقی ساری باتیں پھر کبھی پہ رہنے دو اور اس وقت دونوں جاکر آرام کرو' جاؤ شاباش۔"

انہوں نے آگے بڑھ کے قاسم علی کا کندھا تھپکا' پھر زرنگاہ کا ہاتھ پکڑ کر قاسم علی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ قاسم علی نے یک دم دادی صاحبہ کو دیکھا' لیکن انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ رہنے کی التجا کی تھی۔ جس پہ وہ چاہ کر بھی مزید کچھ نہ کہہ پایا اور زرنگاہ کا ہاتھ پکڑے یوں ہی سیڑھیوں کی سمت بڑھ گیا۔ وہ اس کے ساتھ کھنچی جارہی تھی۔

دادی صاحبہ نیچے کھڑی ان دونوں کو دیکھتے ہوئے ان کی سلامتی کے لیے دعا کررہی تھیں۔

بیڈ روم میں قدم رکھتے ہی زرنگاہ کے قدم جھجک گئے' اس نے غیر محسوس انداز میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالنے کی کوشش کی' لیکن قاسم علی کے مضبوط ہاتھ کی گرفت بہت سخت تھی۔ اس نے داخل ہوتے ہی کمرے کی تمام لائٹس جلادیں' پھر پیچھے پلٹ کر ایک ہاتھ سے دروازہ مقفل کردیا۔ زرنگاہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا اس کے ۔۔۔ دبے ہاتھ کی' میں پسینہ اتر آیا تھا' لیکن قاسم علی نے اس کا ہاتھ ابھی بھی نہیں چھوڑا۔ اسے اپنے ساتھ لیے کمرے کے وسط میں آرکا۔

"میں آپ کو بس یہاں لانے تک پابند تھا۔ اس سے آگے اور نہیں۔ میرا آپ سے تعلق بیڈ روم سے باہر کا ہے۔ بیڈ روم سے اندر کا تعلق نہ میں سوچوں گا' نہ آپ سوچنے گا اور وہاں اسے میری وارننگ سمجھیے۔ بیڈ روم کے اندر کی بات باہر نہیں جانی چاہیے۔ اگر بات باہر گئی تو پھر آپ بھی باہر گئیں۔۔۔ کیونکہ ابا صاحب اور دادی صاحبہ اپنی آخری خواہش تو پیار سے پوری کرواچکے ہیں' اب نہ وہ مجھ سے کچھ منوائیں گی اور نہ میں مانوں گا۔ انڈر اسٹینڈ؟"

اس نے انگلی اٹھا کے اسے وارننگ دی تھی' زرنگاہ دم بخود سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ اپنا سنا کے وہاں سے ہٹ کے واش روم میں چلا گیا' منٹ شاور لینے کے بعد واپس آیا اور بیڈ پہ لیٹ

اس نے یہ دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی کہ وہ ابھی تک کمرے کے وسط میں جوں کی توں کھڑی ہے۔ اس کی سنائی ہوئی سزا پہ تو وہ ملنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

صبح فجر کی اذان پہ اس کی آنکھ کھلی تھی' اس نے کمبل ہٹاتے ہوئے کروٹ بدل کر دیکھا۔ اسے بیڈ خالی نظر آیا' وہ ٹھٹک گیا تھا' لیکن دوسرے ہی پل اسے کھڑکی کے پاس اس کا ہیولا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر وہ قدرے مطمئن ہو گیا اور کمبل پرے ہٹا کر بیڈ سے اٹھ گیا۔

کلمہ شریف پڑھتے ہوئے اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرا اور اٹھ کر واش روم میں وضو کرنے چلا گیا تھا۔ اسے نماز ادا کرنے کے لیے دادا صاحب کے ساتھ مسجد جانا تھا' بچپن سے اس کا یہی معمول تھا' وہ سات سال کی عمر سے ان کے ساتھ مسجد جا رہا تھا اور اس وقت اس کی عمر اکتیس سال کی ہو رہی تھی' لیکن پھر بھی اس کے اس معمول میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔ وہ دونوں دادا پوتا مسجد کے لیے جا چکے تھے۔ زرنگاہ تھکی تھکی نڈھال سی آ کر بیڈ پہ گر گئی۔ اس نے پوری رات یوں ہی آنکھوں میں گزار دی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ آخر کیا ہوا ہے؟ ایک رات اس پہ ان کی اپنائیت کا انکشاف ہوا تھا اور دوسری رات قاسم علی کی اجنبیت کا انکشاف ہو گیا تھا۔ وہ ایک دن میں بن بیاہی سے بیاہی اور سہاگن بن گئی تھی' لیکن اس کا شوہر اس کا سہاگ اسے اپنانے سے ہی انکاری ہو گیا تھا۔ وہ کیا کرتی آخر؟ سارا گناہ اپنا ہی تو تھا؟ قاسم علی کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ اس کا ایسا رویہ تو حق بجانب تھا۔ وہ اب بھلا کیا کرتی؟ اس معاملے میں وہ اپنے ساتھ کسی اور کو شریک بھی نہیں کر سکتی تھی' کیونکہ یہ اس کی وارننگ تھی.... اور وہ اسے پہلے والا قاسم علی سمجھتے ہوئے اس کی وارننگ سے انحراف بھی نہیں کر سکتی تھی۔ آج کے قاسم علی میں اور پہلے کے قاسم علی میں بہت فرق تھا۔ پہلا قاسم علی بہت اچھا تھا۔ زرنگاہ کو اس بات کا اعتراف کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ یہ سب سوچتے سوچتے اس کی اتنے دن کی جاگی ہوئی اور تھکی ہوئی آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں۔ وہ یوں ہی بیڈ پہ بے ترتیب سی پڑی نیند کی گہری وادیوں میں اتر چکی تھی۔ تقریباً" ایک گھنٹے بعد قاسم علی نماز پڑھ کے واپس آیا تھا۔ لیکن بیڈ پہ بے ترتیب پڑی زرنگاہ کو دیکھ کر قدم وہیں کے وہیں تھم گئے تھے۔ ایک مرتبہ اس کا دل چاہا کہ آگے بڑھ کے اس پہ کمبل ڈال دے' لیکن دوسرے ہی پل اس نے اپنے اس خیال کو بری طرح جھٹک دیا۔ وہ اب اس کے ساتھ اتنی سی نرمی بھی نہیں دکھانا چاہتا تھا' سو آگے بڑھ کے اپنی تیاری میں مصروف ہو گیا تھا۔

وہ تیار ہو کر نیچے آ گیا تھا۔

"دلہن کہاں ہے؟" دادی صاحبہ کو امید تھی کہ اس کے ساتھ وہ بھی آئے گی' اس لیے اسے نہ پا کر حیران ہوئی تھیں۔

"سو رہی ہے شاید۔" اس نے ناشتا شروع کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا! ابھی تک سو رہی ہے؟" انہوں نے اپنی بے دھیانی میں پوچھا تھا۔ اور پھر بے ساختہ ان کے چہرے پہ اک غیر محسوس سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی' جسے قاسم علی نے بھی دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں' وہ ان کی معنی خیز سی مسکراہٹ کا مفہوم سمجھ چکا تھا' تب ہی اسے احساس ہوا تھا کہ زرنگاہ نے اس وقت سو کر واقعی غلطی کی ہے اور آئندہ اس غلطی سے اسے پرہیز کرنا ہو گا۔

"دلہن نے کیس کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" دادا صاحب نے قاسم علی کو اٹھتے دیکھ کر سوال کیا۔

"میں نے اس ٹاپک پہ اس سے بات نہیں کی۔ وہ اٹھ جائے تو آپ پوچھ لیجئے گا اور مجھے فون پہ بتا دیجئے گا۔ اللہ حافظ۔" عجلت میں جواب دیتا وہاں سے چلا گیا۔ اور وہ دونوں چپ کے چپ بیٹھے رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

دن کے تین بجے وہ گہری نیند سے بیدار ہوئی تھی۔



وہ یک دم ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔ اور تیزی سے بیڈ سے اتر گئی۔ اس کا ارادہ باہر جانے کا تھا' لیکن یوں سر جھاڑ اور منہ پھاڑ اٹھ کر جانے کا خیال آیا تو قدم ٹھٹک گئے۔ اسے قاسم علی کی رات والی وارننگ یاد آ گئی تھی' اس نے اچھی طرح منہ ہاتھ دھو کر بال سنوارے اور اپنے کپڑے وغیرہ درست کرتی ہوئی باہر آ گئی۔ دادا صاحب اور دادی صاحبہ باہر لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے' اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

"السلام علیکم!" اس نے آہستگی سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹا! آؤ آؤ بیٹھو یہاں۔" انہوں نے اپنی قریبی کرسی کی سمت اشارہ کیا۔

"تھینک یو۔" وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"ہو گئی نیند پوری؟ اتنے دن سے جاگ رہی تھیں۔" دادی صاحبہ نے اس کا سر تھپکا۔

"جی...!" وہ محض جی ہی کہہ پائی تھی۔

"ہم نے تمہیں جان بوجھ کے... نہیں جگایا' سوچا تم جتنی دیر آرام کرو' تمہاری طبیعت کے لیے اچھا ثابت ہو گا۔"

"جی تھینک یو۔"

انہوں نے ابھی چائے کا کپ زرنگاہ کو تھمایا ہی تھا کہ اتنے میں گیٹ کھلا اور قاسم علی کی گاڑی فراٹے بھرتی اندر آ رکی۔

"لو قاسم علی بھی آ گیا۔" دادا صاحب اسے دیکھ کر مسکرائے۔ قاسم علی کی آمد پہ زرنگاہ کا دل عجیب سی دھن پہ دھڑک اٹھا' حالانکہ ان دونوں کے درمیان فی الحال جذبات کا کوئی ایسا رشتہ نہیں تھا جس کی بدولت اس کی ایسی کیفیت ہوتی' لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں اس کی ہتھیلیاں بھیگنے لگی تھیں۔

"السلام علیکم!" اس نے بھی قریب آتے ہوئے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام! جیتے رہو' بیٹھو۔" دادی صاحبہ نے قاسم علی کو زرنگاہ کے مقابل والی کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے اس محفل میں؟" قاسم علی نے اپنی کیپ اتار کے میز پہ رکھ دی۔

"ایک پولیس والے کے گھر میں کیا ہو سکتا ہے بھلا؟ کھانا پینا' سونا جاگنا اور باتیں کرنا' اس کے علاوہ کچھ کرو تو ڈر لگنے لگتا ہے۔"

دادی صاحبہ کے جواب پہ قاسم علی کے ہونٹوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور زرنگاہ اس کے سنجیدہ چہرے پہ مسکراہٹ کی بہار دیکھ کر ٹھہری گئی تھی۔ وہ بہت تیزی سے قاسم علی کی اسیر ہو رہی تھی۔ اس کا ذہن پوری طرح سے اس کی سمت مائل ہو چکا تھا اور دل تھا کہ ریت کی مانند ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ زرنگاہ کی خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی ایسی کیفیت کیوں ہو رہی ہے؟ وہ بھی محض دو روز میں؟ پہلے تو وہ قاسم علی سے خار کھائے ہوئے رہتی تھی' جب بھی وہ ان کی حویلی آتا تھا اسے کوفت اور بیزاری ہوتی تھی' لیکن اب اچانک اس کے جذبات نہ جانے کیوں اور کیسے بدل گئے تھے کہ وہ لحہ بہ لحہ اس کی سمت کھنچ رہی تھی اور وہ تھا کہ آنکھ ہی نہیں ملا رہا تھا' لیکن اس وقت وہ مسکرایا تھا تو وہ بے ساختہ دیکھنے پہ مجبور ہو گئی تھی۔ قاسم علی بھی محسوس کر چکا تھا کہ اس کے چہرے پہ اس کی نظروں کا لمس بکھر رہا ہے' اسی لیے تو اس نے نظریں اٹھا کر زرنگاہ کو کنفیوز نہیں کیا تھا۔

"ایک پولیس والے کے گھر میں آپ اور کیا کرنا چاہتی ہیں؟ ہر کام آپ کی مرضی' آپ کی خواہش پہ ہی تو ہوتا ہے؟ پھر بھی آپ کو ڈر لگتا ہے؟" قاسم علی ذرا جھکتے ہوئے اپنے لیے چائے بنانے لگا۔

"میں بنا دیتی ہوں۔" زرنگاہ نے اس کے ہاتھ سے ٹی پاٹ تھام لیا تھا۔

"او کے! آپ بنا دیں۔" اس نے آہستگی سے کندھے اچکائے۔ اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"چینی...؟" زرنگاہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ڈونٹ سیون۔" اس نے بتاتے ہوئے دادا صاحب کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے' آج دادا صاحب کیوں چپ چپ

سے نظر آرہے ہیں؟" وہ ان کی خاموشی بھانپ چکا تھا۔

"میں اس لیے چپ ہوں کہ آج تمہاری نئی زندگی کا پہلا دن ہے' لیکن نہ تم میں کوئی نئی بات نظر آرہی ہے اور نہ دلہن روایتی دلہنوں کی طرح لگ رہی ہے' کوئی رنگ ہی نہیں دونوں پہ؟"

دادا صاحب جو سوچ رہے تھے انہوں نے کہہ دیا تھا۔ جس پہ بے ارادہ ہی قاسم علی اور زرنگاہ کی نظروں کا آپس میں تصادم ہوا تھا اور پھر فوراً" ہی زرنگاہ نے نظریں چرالی تھیں۔

"اچھا! کیسے رنگ دیکھنا چاہتے ہیں آپ؟" وہ اس کے ہاتھ سے کپ تھامتے ہوئے بولا۔

"نئے کپڑے' نئی مسکراہٹ' نئی باتیں' نئی روٹین' سب کچھ نیا ہونا چاہیے زندگی میں' یہ نئی زندگی ہے تم دونوں کی۔" دادا اسے سمجھا رہے تھے۔

"نئے کپڑے؟" قاسم علی نے زیر لب دہرایا تھا اور پھر فوراً" ہی دادا صاحب کی بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ ان کا اشارہ زرنگاہ کی طرف تھا۔ وہ دو روز سے ایک ہی سوٹ میں نظر آرہی تھی جو اب کافی شکن آلود ہو چکا تھا۔

"ہوں اچھا تو یہ بات ہے؟" اس نے پرسوچ انداز میں سرہلایا۔ "نئے کپڑوں والا مسئلہ تو آج ہی حل ہو جائے گا' دادی صاحبہ! آپ انہیں ساتھ لے جائیں اور ان کی پسند کی شاپنگ کروادیں۔" اس نے لاپروائی ظاہر کی۔

"یہ کام دادی صاحبہ کا نہیں' تمہارا اپنا ہے۔ وہ بوڑھی بھلا کہاں بازار بازار پھرے گی؟" دادا صاحب کو اعتراض ہوا تھا۔

"تو آپ کا مطلب ہے کہ میں خود...؟" اس نے بدک کے دیکھا تھا۔

"ہاں! تم خود' کیونکہ بیوی تمہاری ہے' اس کی ضروریات بھی تم ہی پوری کرو گے۔"

"لیکن دادا صاحب! لوگ کیا کہیں گے؟ میں بیوی کو شاپنگ کرواتا پھر رہا ہوں؟ نو نیور' میں یہ کام نہیں کرسکتا۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی — اور دادا صاحب اس کی بات پہ مسکرادیے تھے۔

"لوگ کچھ نہیں کہیں گے' بلکہ یہ سوچیں گے کہ قاسم علی اپنے گھر کے فرائض بھی احسن طریقے سے نبھاتا ہے۔ ایک بہت اچھا آفیسر ہی نہیں' ایک بہت اچھا شوہر بھی ہے۔"

"نہیں! میں ایسا کوئی کام نہیں کرسکتا' پلیز ایم سوری۔" وہ مسلسل انکاری تھا۔

"یہ کام تم ہی نے کرنا ہے' دلہن خریداری کرے گی اور تم بس بل پے کرو گے۔"

دادا صاحب کے انتہائی اصرار پہ قاسم علی کو خاموش ہونا ہی پڑا تھا اور دادی صاحبہ مسکراتی ہوئی اٹھ کر اندر چلی گئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں ایک مخملی ڈبہ تھا۔ اس میں سونے کی چھ چوڑیاں تھیں جو انہوں نے قاسم علی کی دلہن کے لیے ہی بنوا کر رکھی ہوئی تھیں' کل رات افراتفری میں انہیں دینا یاد نہیں رہا تھا' اسی لیے وہ اب نکال لائی تھیں۔

"یہ لو دلہن کو پہنادو' منہ دکھائی کا تحفہ۔" ان کی اس نئی فرمائش پہ قاسم علی ٹھٹک گیا۔

"آخر آپ کیا کیا کروانا چاہتی ہیں؟"

"وہ سب جس کا میرے دل میں ارمان ہے۔ میں تجھے تیری دلہن کے ساتھ ہنستا کھیلتا اور خوش باش دیکھنا چاہتی ہوں۔ میرا خادم علی بھی اپنی دلہن کے ساتھ بہت خوش رہتا تھا' لیکن دونوں خوشیاں نہیں دیکھ سکے' نہ ہی میرے ارمان پورے ہو سکے تھے' لیکن اب یہ ارمان تم تو پورے کرسکتے ہو نا؟"

دادی صاحبہ کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں اور قاسم علی ان کے دکھ پہ خاموش ہو گیا تھا۔

"لو! پکڑو نا۔" انہوں نے اپنے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے دوبارہ سے چوڑیاں تھمانے کی کوشش کی جو اس نے آہستگی سے تھام لی تھیں۔

"دلہن! ہاتھ آگے کرو بیٹا!" دادی صاحبہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر قاسم علی کے سامنے کیا۔ زرنگاہ کے ہاتھ میں ہلکی لرزش سی محسوس ہو رہی تھی۔ دادی' دادا کے سامنے اس کا ہاتھ پکڑنا زرنگاہ کے لیے بے پناہ شرم کا باعث تھا۔ اس کی پلکیں جھک گئی تھیں۔ قاسم علی نے اس کا نازک سا ہاتھ تھاما اور اسے سونے کی چوڑیاں پہنانے لگا۔

ساری چوڑیاں ایک ایک کرکے پہنانے کے بعد قاسم علی نے آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"پہلا تحفہ مبارک ہو بیٹا!" دادی صاحبہ نے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا۔

"خیر مبارک!" زرنگاہ نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

"اللہ جوڑی سلامت رکھے' جاؤ اب دونوں بازار چلے جاؤ۔" انہوں نے قاسم علی کو اشارہ کیا تھا۔

"میں شاور لے کر چینج کرلوں۔" وہ یونیفارم چینج کرنے کے ارادے سے اٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے' مگر جلدی آنا۔" انہوں نے پیچھے سے آواز دی تھی۔

وہ اندر جاچکا تھا اور زرنگاہ اپنے ہاتھ پہ اور چوڑیوں پہ نقش اس کے لمس کو چھو کے محسوس کرتی ہلکے سے مسکرائی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اس کے ساتھ خریداری کے لیے تو آگیا تھا' لیکن اس کا موڈ آف تھا' کافی لاتعلق سا انداز تھا اس کا۔ زرنگاہ نے لاکھ کچھ کہنے کی کوشش کی مگر نہ کہہ سکی۔ اس کے الفاظ زبان تک آتے آتے ہمت ہار جاتے تھے۔ وہ اس سے کچھ کہتے ہوئے اندر سے ڈر رہی تھی کہ نہ جانے اس کا ردعمل کیا ہوگا؟ اور اس کے ردعمل سے ڈرتے ہوئے ہی وہ خاموش بیٹھی اپنے ہاتھوں کو آپس میں بے چینی سے مسل رہی تھی۔

اور پھر خریداری کے دوران بھی ان دونوں کا یہی حال تھا۔ وہ لاتعلق سا نظر آرہا تھا' جبکہ زرنگاہ کی ساری توجہ اسی پہ مرکوز تھی۔ ڈارک براؤن کلر کے شلوار سوٹ میں ملبوس اجنبی' لاتعلق اور سرد و سپاٹ سا وہ شخص زرنگاہ کو مسلسل پچھتاووں میں ڈال رہا تھا اور وہ کوشش کے باوجود ان پچھتاووں اور ندامتوں سے نکل ہی نہیں پارہی تھی۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ایسا کیا کرے؟ اور ایسا کیا کہے کہ قاسم علی کے دل سے ساری کدورتیں اور ساری بدگمانیاں دھل جائیں۔ اس کا دل صاف شفاف ہو جائے۔ وہ اس کی دس سال پہلے والی خطا معاف کردے۔

اس نے کافی بے دلی سے شاپنگ کی تھی۔ قاسم علی نے اس کی شاپنگ پہ کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس نے جو کچھ بھی خریدا تھا' قاسم علی نے خاموشی سے بل پے کردیا تھا اور سب کچھ خریدنے کے بعد اسی خاموشی سے واپسی کا رخ کیا تھا' لیکن زرنگاہ سے یہ خاموشی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" اس نے بالآخر ہمت باندھ ہی لی تھی۔

"لیکن میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔" اس نے درشتی سے انکار کردیا۔ زرنگاہ ٹھٹک کے رہ گئی۔

"پلیز قاسم علی! آپ ایک بار میری پوری بات..."

"بس! میں سن چکا آپ کی پوری بات۔" اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا تھا۔ زرنگاہ خاموش ہو گئی۔

اور اسی خاموشی میں سفر بھی کٹ گیا تھا' وہ لاتعلق سا گیا تھا اور لاتعلق سا گھر آگیا۔ البتہ زرنگاہ' دادی صاحبہ کے پاس بیٹھ گئی' وہ اس کی شاپنگ دیکھ رہی تھیں' لیکن زرنگاہ کا ذہن وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ سوچوں ہی سوچوں میں کہاں سے کہاں نکل گئی تھی۔ قاسم علی کی لاتعلقی اور اجنبیت نے اسے بے چینی اور اضطراب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ کافی بے کل سی ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ سونے کے لیے کمرے میں آیا تو یکدم ٹھٹک گیا تھا۔

کمرے میں زیرو بلب کی ملگجی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی' گویا وہ سوچکی تھی۔

رات کافی ہو رہی تھی' اس لیے اسے بھی نیند آرہی

تھی' سونے کے لیے لیٹ گیا۔ ابھی اسے آنکھیں موندے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ زرنگاہ کروٹ بدل کر سیدھی ہوئی تھی اور اس کے حرکت کرنے پہ اس کی کلائی میں بجی چوڑیاں کھنک اٹھی تھیں۔ چوڑیوں کی اس کھنک پہ قاسم علی کے خیالات میں خلل پڑا تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا زرنگاہ کو کروٹ بدلتے دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ اس کی چوڑیوں کا شور ہے' اس نے سر جھٹکتے ہوئے پھر سے اپنی سوچوں کا سلسلہ جوڑ لیا اور اس کی طرف سے کروٹ لے لی' لیکن پانچ منٹ بعد پھر ایسا ہی ہوا تھا۔

زرنگاہ اپنے گلے سے لپٹا دوپٹہ نکال کر سرہانے رکھ رہی تھی کیونکہ اسے الجھن ہو رہی تھی وہ اپنا دوپٹہ گلے سے نکال کے سونے کی عادی تھی۔ رات کو گلے میں لپٹا ہوا دوپٹہ اسے پھندے کی طرح محسوس ہوتا تھا' لیکن قاسم علی کی موجودگی میں بغیر دوپٹے کے لیٹے ہوئے اسے عجیب بھی لگ رہا تھا اور شرم بھی آ رہی تھی' لیکن اس کے لیے یہ تسلی ہی کافی تھی کہ وہ کروٹ بدل کے لیٹ چکا ہے اور دوسرے یہ کہ کمرے میں ملگجا سا اندھیرا ہے۔ وہ کروٹ بدلتا بھی تو اسے صاف یا واضح نہیں دیکھ سکتا تھا۔

لیکن یہ بھی سچ تھا کہ قاسم علی کی نیند اور سوچیں اڑ چکی تھیں' اس کا سارا دھیان زرنگاہ کی چوڑیوں کی کھنک کی سمت ہو چکا تھا۔ وہ آج تک عورت کے وجود سے اور اس کی خوب صورتیوں سے کوسوں دور رہا تھا۔ کبھی نظر اٹھا کے بھی نہیں دیکھا تھا کہ عورت میں کتنی دلکشی اور نزاکتیں پائی جاتی ہیں۔ مرد کے لیے اللہ نے عورت کو ایک تحفے کا نام دیا ہے اور وہ ہمیشہ اس تحفے سے نظریں چرائے ہوئے رہتا تھا کیونکہ یہ تحفہ اس پہ حلال نہیں تھا۔

لیکن اب یہ تحفہ اس پہ حلال ہو چکا تھا' اب اس سے نظریں چرانا اور کوسوں دور رہنا ایک انتہائی مشکل مرحلہ تھا احساس ہو رہا تھا کہ عورت کے وجود سے دور رہنا ایک مرد کے لیے آسان کام نہیں ہے' جبکہ وہ اس سے چند انچ کے فاصلے پہ بھی موجود ہو اور اس کی ملکیت بھی ہو۔ اس وقت قاسم علی واقعی مشکل میں پڑ گیا تھا۔

کل رات اس نے خود ہی اپنے اور اس کے درمیان لاتعلقی کی دیوار کھینچی تھی اور آج رات وہ خود ہی اس دیوار کو کیسے گرا دیتا؟ یہ بھی تو آسان نہیں تھا' لیکن طلب تھی کہ پاگل کر رہی تھی' کنپٹیوں میں لہو ٹھوکریں مارنے لگا تھا' وہ اس وقت ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اسے بھلا کیا خبر تھی کہ وہ اس کے لیے آزمائش بن جائے گی۔ اس کی قربت' تنہائی اور اپنا حق اسے مل کر ستائیں گے۔ اس پہ زرنگاہ کی ذرا سی حرکت پہ شور کرتی چوڑیاں الگ جلتی پہ تیل کا کام کر رہی تھیں۔ وہ جھنجلانے لگا۔

"آپ پلیز! یہ چوڑیاں اتار دیں۔" وہ نہ رہ سکا اور اسے کہہ ہی دیا۔ لیکن زرنگاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں کیا کہہ رہا ہوں آپ سے؟" اس نے کروٹ بدل کر زرنگاہ کی سمت دیکھا۔ وہ اپنی آنکھوں پہ کلائی رکھے سونے کی کوشش کر رہی تھی۔

"لیکن کیوں؟"

"کیونکہ میں ان کی آواز سے ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔ مجھے نیند نہیں آ رہی۔" وہ ابھی تک جھنجلایا ہوا تھا۔

"تو اس میں میری چوڑیوں کا کیا قصور ہے؟" یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بھی اس کی کیفیت سمجھ گئی تھی۔

"قصور ہے نا' ان کی آواز آتی ہے۔" وہ آج برا پھنسا تھا۔

"تو آپ اپنے کانوں پہ تکیہ رکھ لیں' آواز نہیں آئے گی۔" اس نے مشورہ دیا تھا۔

"میں ساری رات تو کانوں پہ تکیہ رکھ کے نہیں سو سکتا نا؟" اس نے خفگی سے کہا تھا۔

"تو اتنی سی بات پہ میں اپنی چوڑیاں بھی تو نہیں اتار سکتی نا؟" وہ بھی جیسے ضد پہ اڑ چکی تھی۔

"یہ اتنی سی بات ہے؟" وہ تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

"میری چوڑیوں کے سامنے اتنی سی بات ہے۔ ایم سوری! میں یہ چوڑیاں نہیں اتار سکتی۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"آپ جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"جی! بہت اچھی طرح۔" وہ کہہ کے کروٹ بدل گئی تھی اور قاسم علی اس کی پشت دیکھ کے رہ گیا۔

"کیوں نہیں اتار سکتیں آپ؟" اس نے زرنگاہ کو بازو سے دبوچ کر جھٹکے سے اپنی سمت سیدھا کیا تھا۔

"کیونکہ یہ چوڑیاں مجھے آپ نے پہنائی ہیں' میں انہیں اتارنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" اس نے قطعیت سے کہا۔

"لیکن میں تو سوچ سکتا ہوں نا؟"

"ہرگز نہیں۔" زرنگاہ نے فوراً" اپنی کلائی پیچھے کرلی تھی۔

"میں پہنا سکتا ہوں تو اتار بھی سکتا ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے اپنا ہاتھ زرنگاہ کے اوپر سے بڑھا کے اس کی کلائی پکڑلی۔ زرنگاہ تڑپ گئی۔

"آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی' لیکن قاسم علی نے اسے اتنی مضبوطی سے جکڑا ہوا تھا کہ وہ بے بس ہونے لگی تھی' لیکن اچانک اس کے ذہن میں نہ جانے کیا آیا تھا کہ وہ زور سے چلا اٹھی۔

"اتارتی ہوں... اتارتی ہوں' لیکن ایک شرط پہ۔" اسے اپنی بات منوانے کا موقع اچھا لگا تھا۔

"شرط... کیسی شرط؟" وہ ٹھٹکا' وہ تقریباً" اس پہ جھکا ہوا تھا اور تکیے سے اندھیرے کے باوجود وہ اسے باآسانی دیکھ رہا تھا۔ اس کی دودھیا رنگت دمک رہی تھی۔

"اگر آپ کو منظور ہے تو بتاتی ہوں۔"

"ہوں! بتائیں؟" اس نے ٹھہرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" اس نے پھر وہی بات دہرائی تھی' لیکن قاسم علی خاموش تھا۔

"میں... وہ... مم میں..." اس نے بات تو شروع کرلی تھی' لیکن اب کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ البتہ وہ ہنوز منتظر اور خاموش تھا۔

"وہ... میں... میں شرمندہ ہوں۔"

اس نے بمشکل زبان سے یہ لفظ ادا کیا تھا' لیکن اس کے اس لفظ پہ قاسم علی کی مضبوط گرفت اس کے وجود پہ ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ اس نے اس کی کلائی چھوڑ دی' اور اس کے دل و دماغ پہ چھایا ان فسوں خیز لمحات کا طلسم یک دم موتیوں کی مالا کی طرح ٹوٹ کے بکھر گیا۔ وہ جو اپنے جذبات کی منہ زوری میں آکر بہک رہا تھا' وہ زرنگاہ کے اس ایک جملے سے یک دم ہوش و حواس کی تلخ دنیا میں لوٹ آیا تھا اور دماغ جیسے جھنجھنا اٹھا۔ وہ دس سال پہلے کی اذیت میں جا اترا تھا اور پھر اس سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ... ایک جھٹکے سے پیچھے ہوا تھا' لیکن زرنگاہ نے بھی ایک جھٹکے سے اور بڑی پھرتی سے اس کی قمیص کا گریبان پکڑ لیا۔

"پلیز قاسم! میری بات تو سن لیں... پلیز... آپ کی نظر میں میں واقعی غلط ہوں' لیکن میں آپ کو بتانا..."

"میں آپ کی کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔ بس' ختم۔" وہ سختی سے بولا۔

"قاسم! میں واقعی آپ [illegible] میری وجہ سے۔" لیکن قاسم علی [illegible] کاٹ دی تھی۔

"آپ شرمندہ ہیں؟ آپ صرف شرمندہ ہیں؟ میرا کردار داؤ پہ لگ گیا' میرا دامن داغ دار ہو گیا' معصوم ہوتے ہوئے بھی میں قصوروار ٹھہرا دیا گیا' مجھے حویلی سے لے کر میرے گھر تک گلیوں میں ذلیل کیا گیا' مجھے میرے بوڑھے دادا' دادی کے ساتھ بے عزت ہو کر گاؤں سے نکلنا پڑا اور آپ... آپ صرف شرمندہ ہیں؟ آپ سمجھتی ہیں آپ کی یہ ذرا سی شرمندگی میرے دس سالوں کی اذیتوں کا مداوا کر سکتی ہے؟ کیا آپ کا یہ لفظ میرے بوڑھے دادا' دادی کے دل میں بنے ناسور کا علاج کر سکتا ہے؟ وہ دونوں جنہوں نے پوری زندگی اس گاؤں میں گزار دی' گاؤں کے بچے بچے کو قرآن پڑھایا' اتنے سال امامت کی اور آپ لوگوں نے کیا صلہ دیا؟ دھکے؟ یا پھر گاؤں سے نکل جانے کا حکم؟ اور یہ سب کس کی وجہ سے ہوا؟ آپ کی وجہ سے؟ صرف اور صرف آپ کی وجہ

سے۔ اب آپ کا یہ شرمندہ ہونا ہمارے کس کام کا؟؟ کیا کریں گے ہم آپ کے اس لفظ سے؟ اور آپ کی اس شرمندگی سے؟ جو جھیلنا تھا وہ تو ہم نے جھیل لیا۔ اب آپ کی شرمساری سے ہمیں کیا فائدہ ہو سکتا ہے بھلا؟ میں بڑا حیران ہوتا ہوں کہ لوگ کتنی آسانی سے جھوٹ بولتے ہیں اور پھر کہہ دیتے ہیں کہ میں شرمندہ ہوں۔ اب ان لوگوں سے بندہ یہ پوچھے کہ کیا آپ کی اس شرمندگی سے دوسرے انسان پہ بیتی قیامت کا ازالہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے تو ٹھیک ہے میں آپ کو معاف کرتا ہوں' اور اگر نہیں ہو سکتا تو آئندہ مجھ سے اس بارے میں — بات مت کیجیے گا۔"

وہ غضب ناک لہجے میں کہتا ہوا جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑا کے پیچھے ہٹ گیا۔

"لیکن قاسم پلیز! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں' وہ سب میں نے نہیں کیا تھا' مجھ سے کروایا گیا تھا' وہ سب قندیل آپی نے مجھے کہا تھا' انہوں نے کہا تھا کہ مجھے وہاں خاموش رہنا ہے' حالانکہ میں یہ سب نہیں کرنا چاہتی تھی' میں بولنا چاہتی تھی' لیکن مجھے فورس کیا گیا تھا' انہوں نے زبردستی مجھے آمادہ کیا تھا' پتا نہیں وہ ایسا کیوں کرنا چاہتی تھیں' لیکن وہ میری جان کو آگئی تھیں' میں تو مذاق میں کہتی تھی کہ میں آپ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں' لیکن اس طرح تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا' یہ سب ان کا کیا دھرا تھا۔"

"لیکن میری نظر میں آپ دونوں اس وقت برابر ہو چکی تھیں اور میری نظر میں آج بھی آپ دونوں برابر ہی ہیں۔" وہ کلفی چبا کر بولا تھا۔

"قاسم پلیز! خدا کے لیے مجھے اتنی کڑی سزا مت دیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"جائیے! جا کر دادا صاحب سے پوچھیے کہ جو کچھ آپ نے اور آپ کی کزن نے میرے ساتھ کیا تھا' اس کے بعد یہ سزا کڑی ہے یا نہیں؟" اس کا انداز لفظ سرد اور لہجہ سپاٹ تھا۔

"قاسم—!" وہ بے بسی سے رو پڑی۔ قاسم علی کمرے سے باہر نکل گیا۔ رات کے اس پہر بھی اس کے دل و دماغ میں آگ جل رہی تھی یا سے یوں لگ رہا تھا وہ بھانبھڑ کی طرح جلتے شعلوں میں گھرا ہو۔ زرنگاہ کی شرمندگی کے اظہار نے اسے بلبلا کے رکھ دیا تھا۔ اس کی ذات پہ کیا کچھ بیت گیا تھا اور وہ محض اپنے کیے پہ شرمندہ ہو رہی تھی۔ وہ لان میں ٹہلتا سلگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک سال چھ ماہ ہو چکے تھے۔ عدالت نے فیصلہ زرنگاہ کے حق میں سنا دیا تھا۔

ملک امتیاز احمد کو حویلی خالی کرنے کا اور گاؤں چھوڑنے کا حکم ملا تھا' حالانکہ زرنگاہ چاہتی تو انہیں سخت سے سخت سزا دلوا سکتی تھی' لیکن اس نے صرف اپنا حق مانگا تھا اور باقی ساری خطائیں اور سارے گناہ انہیں معاف کر دیے تھے' کیونکہ ملک امتیاز احمد کے لیے ان کی اپنی اولاد ہی سزا بن گئی تھی۔ قندیل کی دوبار شادی ہوئی تھی اور دونوں بار ہی اسے شوہر نے طلاق دے کر گھر بھیج دیا تھا۔ وہ بہت عرصے سے طلاق کا لیبل ماتھے پہ سجائے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ دوماہ پہلے وہ کسی ملازم کے ساتھ قابل اعتراض اور شرمناک حالت میں پکڑی گئی تھی جس پہ ملک امتیاز احمد جیتے جی مر گئے تھے۔

کوکب نے گھر سے بھاگ کے کسی سے شادی کر لی تھی۔ ان کا چھوٹا بیٹا ملک سمیر احمد امریکا میں چرس اور ہیروئن کے غیر قانونی لین دین میں پکڑا گیا تھا اور اب ڈیڑھ سال سے وہاں جیل میں سڑ رہا تھا اور ملک توقیر احمد ویسے ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے بھاگ گیا تھا۔

ایسے میں زرنگاہ انہیں اور کیا سزا دلواتی؟ اس نے ساری سزائیں' سارا انصاف اپنے رب پہ چھوڑ دیا تھا' البتہ صرف یہ کیا تھا کہ اپنا حصہ اور اپنی حویلی الگ کروالی تھی اور آج ملک امتیاز احمد حویلی چھوڑ گئے تھے یہ خبر ابھی ملی تھی۔

"مبارک ہو بیٹا! تمہیں تمہارا حق مل گیا۔" مولوی صاحب نے زرنگاہ کا سر تھپکتے ہوئے کہا۔ وہ سب

ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ زرنگاہ ان کے لیے چائے لے کر آئی تھی لیکن ان کی بات پہ ٹھہری گئی۔ اس کی بے ساختہ نظر قاسم علی کی سمت اٹھی تھی اور چائے کا گھونٹ لیتے قاسم علی نے بھی بے ساختہ اسے ہی دیکھا تھا۔

"دادا صاحب! کاش کہ حق تلفی کرنے والے کبھی انجام کا بھی سوچ لیں۔"

وہ ٹرے ٹیبل پہ رکھتے ہوئے افسردگی سے بولی اور ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"بیٹا! انجام کا کون سوچے۔؟ کیونکہ وہی کسی کا حق تلف کرتا ہے جو ایمان کا ہلکا ہوتا ہے' اور جو ایمان کا ہلکا (کمزور) ہوتا ہے' وہ اللہ سے دور ہوتا ہے۔" دادا صاحب کے جواب پہ قاسم علی کو جیسے اچھو لگ گیا وہ بمشکل اپنا کپ سنبھالتے ہوئے سیدھا ہو کے بیٹھا تھا۔

"خیر! چھوڑیے اس بات کو' آپ یہ بتائیے کہ ہم لوگ گاؤں کب جا رہے ہیں؟" زرنگاہ اسے دیکھتے ہوئے بات بدل گئی تھی۔

"میرے بیٹا! ہمارا تو دل چاہ رہا ہے کہ ہم ابھی کے ابھی چلے جائیں۔ گیارہ بارہ سال ہو گئے ہیں گاؤں سے نکلے ہوئے؟" انہوں نے آہ بھری زرنگاہ چپ سی ہو گئی۔

"کیوں بیٹا؟ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کب لے کر چل رہے ہو ہمیں؟" انہوں نے قاسم علی کو مخاطب کیا تھا۔

"آپ کو جب جانا ہو مجھے بتا دیجیے گا۔ ڈرائیور آپ لوگوں کو چھوڑ آئے گا۔" وہ کہہ کے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی سمت دیکھ کے رہ گئے تھے۔

"وہ گاؤں نہیں جائیں گے تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔" زرنگاہ نے بھی فیصلہ سنا دیا تھا اور وہاں سے اٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

چن سجناں وے نیڑے نیڑے ہو
ڈھل جائیاں دی نیڑے نیڑے ہو
دور دور رہنی آں تے اکھ پھڑ کے
تیرے کول آئی آں تے دل دھڑکے
ساواں وچوں آوے مینوں تیری خوشبو

قاسم علی نے جیسے ہی اپنے بیڈ روم میں قدم رکھا' اس کی سماعتوں پہ یہ گانا ایک یاد کی طرح بجا تھا' اس کا ذہن سیکنڈوں میں بہت پیچھے چلا گیا تھا۔ آج سے ساڑھے گیارہ سال پہلے جب وہ پہلی بار اسے پڑھانے کے لیے حویلی گیا تھا تو وہ حویلی کی چھت پہ کھڑی ہواؤں سے لطف اندوز ہوتی اسی گانے پہ مسرور ہو رہی تھی۔ یہ گانا اسے واقعی بہت پسند تھا۔ وہ جب بھی اسے سنتی تھی فل والیوم سے سنتی تھی۔ وہ بیڈ پہ بیٹھی ہیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے گانا سن رہی تھی جب قاسم علی نے آگے بڑھ کے ڈیک کا سوئچ آف کر دیا' لیکن زرنگاہ اس کی اس حرکت پہ چونکی نہیں تھی اور نہ ہی فوراً" آنکھیں کھول کے دیکھا تھا' بلکہ وہ جوں کی توں ایک ہی حالت میں پلکیں موندے بیٹھی رہی۔ اس کا انداز قدرے نیم دراز سا تھا۔ قاسم علی کپڑے تبدیل کر کے بستر پہ آگیا بستر پہ بیٹھتے ہوئے اس کی نگاہ اس کے رخساروں پہ جا ٹھہری تھی جو بھیگے ہوئے لگ رہے تھے۔

اس کا مطلب تھا کہ وہ آنکھیں بند کیے محض گانا ہی نہیں سن رہی تھی بلکہ رو بھی رہی تھی اور پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ قاسم علی کو کچھ کچھ ہوا تھا' اس کے دل کو آنچ سی لگی تھی' وہ ذرا سا پگھلا تھا' اور اسے زرنگاہ کی سزا کا احساس ہوا تھا۔ لیکن یہ احساس اسے غلط وقت پہ ہوا تھا۔ اچانک اس کا موبائل بج اٹھا۔ آئی جی کی کال تھی' انہوں نے اسے کسی آپریشن کے لیے طلب کیا تھا اور اس کا پہنچنا ضروری تھا اس نے فوراً" اٹھ کر وردی پہنی اور جانے کے لیے تیار ہو گیا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ گھر سے باہر آکر بھی اس کے ذہن میں زرنگاہ کا چہرہ ہی چکرا رہا تھا۔ وہ ڈرائیو کرتے ہوئے بھی اسے ہی سوچتا آیا تھا۔ اور آئی جی کے سامنے بیٹھ کر بریفنگ کے دوران بھی وہ اسے ہی سوچ رہا تھا۔



وہ اس کے ڈیڑھ سال کے صبر' ہمت' حوصلے اور اس کی خدمت سے نظریں نہیں چرا پا رہا تھا۔ اس کی خفگی' ناراضی اور لاتعلقی کے باوجود اس نے ہر کام احسن طریقے سے نبھایا تھا۔ اس کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے کیا تھا۔ دادی' دادا کی دن رات خدمت کی تھی۔ پورے گھر کو اچھی نیک اور سگھڑ بیویوں کی طرح سنبھال رکھا تھا اور ڈیڑھ سال سے سب کچھ وہی چلا رہی تھی۔ دادی صاحبہ نے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔ اب سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہوتا تھا' لیکن اس کے باوجود قاسم علی نے اپنی لاتعلقی ختم نہیں کی تھی۔ کبھی اسے خود سے مخاطب نہیں کیا تھا۔ کبھی بیویوں والا درجہ نہیں دیا تھا۔ کبھی سیدھے منہ اس سے بات تک نہیں کی تھی' لیکن پھر بھی سب کچھ نباہ رہی تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کے جی رہی تھی۔ قاسم علی کی لاتعلقی اسے دیمک کی طرح چاٹ رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ قاسم علی سے محبت کا جذبہ پال بیٹھی تھی اور آج یہی جذبہ اس کے رخساروں کو بھگو رہا تھا اور قاسم علی کی روح میں بے چینیاں بھر گیا تھا۔

"ایس پی قاسم علی! آپ کا دھیان کہاں ہے اس وقت؟" آئی جی سلطان لغاری کی آواز پہ قاسم علی سٹپٹا گیا۔

"آئیم سوری سر!" اس نے ان کی سمت توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ایس پی قاسم علی! آپ اگر مینٹلی یا فزیکلی ڈسٹرب ہیں تو آپ واپس گھر جا سکتے ہیں۔" انہوں نے نرمی سے لیکن نپے تلے سے لہجے میں کہا تھا۔

"نو سر! آئی ایم آل رائٹ میں فٹ ہوں' میں سب سن رہا ہوں۔"

آئی جی سلطان لغاری کی تسلی ہوئی تھی۔ وہ دوبارہ سے بریفنگ کا سلسلہ جوڑ چکے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ قاسم علی کے دل و دماغ سے زرنگاہ کا خیال اب بھی نہیں نکلا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات بھر کے ایک اہم آپریشن کے بعد دن کے بارہ بجے وہ گھر میں داخل ہوا تھا۔ رات بھر کی سوچوں اور رتجگے سے وہ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ سست روی سے چلتا ہوا سیڑھیوں کی سمت بڑھ رہا تھا جب اچانک ٹھٹک کے رک گیا۔ کیونکہ ڈرائنگ روم میں غیر معمولی سرگرمیاں دیکھنے میں نظر آ رہی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے آگے بڑھ کے حیرت سے پوچھا۔ دادی' دادا نے چونک کر اسے دیکھا تھا جبکہ زرنگاہ یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"ہم لوگ گاؤں جا رہے ہیں۔" دادا صاحب نے اپنی تسبیح اور عطر وغیرہ اپنے بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔ دادی صاحبہ مولوی صاحب کے اور اپنے کپڑے تہہ کر کے رکھ رہی تھیں۔

"گاؤں۔ مگر کب؟" قاسم علی کو ان کے اس اچانک فیصلے پہ کافی شاک لگا تھا۔

"آج ابھی تھوڑی دیر بعد۔ تم ڈرائیور سے کہو' وہ ہمیں چھوڑ آئے۔"

دادا صاحب کافی لاپروائی سے بات کر رہے تھے اور قاسم علی کا دماغ آؤٹ ہو رہا تھا۔ اتنے سالوں بعد اگر وہ واپس لوٹ رہا تھا تو وہ وہاں سے جا رہی تھی وہ تو رات سے نجانے کیا سے کیا سوچ آیا تھا اور وہ لوگ۔ قاسم علی کا دل چاہا وہ یونہی کھڑے کھڑے دیوار پر سر دے مارے۔ دادا صاحب کی انہی عجلت پسندیوں نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ ہر کام کے لیے' ہر بات کے لیے اتاؤلے ہو جاتے تھے۔

"کون کون جا رہا ہے؟" قاسم علی نے بمشکل اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑے تھے' ورنہ اس کے دل میں ابال اٹھ رہے تھے۔

"تمہاری دادی' تمہاری دلہن اور میں۔" وہ اب بھی لاپروا سے تھے۔

"کیا آج جانا ضروری ہے؟" قاسم علی نے سوال دادا صاحب سے کیا تھا لیکن دیکھا زرنگاہ کو تھا مگر وہ نظریں جھکائے ہوئے تھی۔

"ہاں! ضروری ہے۔ آج ملک صاحب کی برسی بھی ہے' اس لیے دلہن ان کی قبروں پہ فاتحہ خوانی کے لیے

جانا چاہتی ہے۔ ہم نے سوچا' کل بھی تو جانا ہے' بہتر ہے آج ہی چلے جائیں' اس کے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا اور تمہارا کیا ہے' تم پتا نہیں جاؤ گے بھی یا نہیں' اس لیے انتظار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

گویا دادا صاحب اسے اس کے حال پہ چھوڑ چکے تھے۔ قاسم علی ان کی بات پہ خاموش ہو گیا تھا۔

"بیٹا! تم نے پیکنگ کر لی۔؟" انہوں نے زرنگاہ کو مخاطب کیا۔

"جی! کر لی ہے۔" وہ دھیمے سے بولی تھی اور پھر ان کی روانگی تک زرنگاہ انہی کے پاس بیٹھی رہی تھی۔ قاسم علی کچھ کہنے کی خواہش دل میں ہی دبا کے رہ گیا تھا اور وہ اس سے نظر ملائے بغیر ہی ان کے ساتھ رخصت ہو گئی قاسم علی نے ڈرائیور کو ساتھ بھیجا تھا لیکن ان کو بھیج کر وہ خالی خالی اور ویران سا بیٹھا رہ گیا تھا۔ خالی گھر تھا کہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا اور خالی بیڈ الگ بے چین کر رہا تھا۔ ڈیڑھ سال وہ اس کے ساتھ اس بیڈ پہ سوئی تھی اور آج یہ بیڈ خالی دیکھ کر اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

ان لوگوں کو ایک ہفتہ ہو چکا تھا گاؤں آئے ہوئے اور قاسم علی تھا کہ اس نے پلٹ کر خبر تک نہیں لی تھی۔

زرنگاہ اب بجھی بجھی سی رہنے لگی تھی۔ صبح اٹھتی تھی اور گھر کے کام کاج میں لگ جاتی تھی اور عشاء کی نماز کے بعد سر شام ہی سونے کے لیے لیٹ جاتی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے نیند رات گئے تک نہیں آتی تھی۔ اس کا بسیرا قاسم علی کے کمرے میں ہی تھا' ساتھ والے کمرے میں دادا' دادی ہوتے تھے اور وہ اکیلی قاسم علی کی بے رخی پہ جلتی کڑھتی رہتی۔ اکثر گھر کے کام کرتے ہوئے بھی اس کا یہی حال ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ روٹیاں بنا رہی تھی اور اپنی ہی سوچوں میں گیلی لکڑی کی طرح سلگ رہی تھی جب اچانک دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔

اس نے چونک کر دیکھا تھا' لیکن پھر بجھ سی گئی۔ یہ دستک دادا صاحب کی بھی ہو سکتی تھی کیونکہ وہ مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد گئے ہوئے تھے' اور یہ دستک دادی صاحبہ کی بھی ہو سکتی تھی۔ وہ ساتھ والے گھر میں کسی ہمسائی کے بچے کی عیادت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ قاسم علی کے آنے کا وہ سوچ تک نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ خود سے آنے والا نہیں تھا۔ اس نے روٹی کو توے پہ پلٹ دیا اور اٹھ کر یونہی باورچی خانے سے باہر نکل آئی تھی۔

دروازے پہ تب تک تیسری دستک ہو رہی تھی۔

"کون ہے؟" اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے احتیاطاً" پوچھ لیا تھا۔

"ایس پی قاسم علی۔" باہر سے جو آواز سنائی دی تھی' وہ زرنگاہ کے مردہ دل و جان میں روح پھونک گئی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے وہ فل یونیفارم میں اپنی شخصیت کی تمام تر وجاہتوں سمیت سر اٹھائے کھڑا تھا۔

"آ... آپ...؟" اسے قاسم علی کو دیکھ کر بھی یقین نہیں آیا تھا کہ وہ اس کے سامنے کھڑا ہے' وہ اتنے سالوں بعد اپنے گاؤں لوٹ کر آیا ہے' اس نے کتنے عرصے بعد اپنی گلی میں قدم رکھا ہے۔ اس کے اس طرح خود بخود لوٹ آنے کا مطلب تھا کہ وہ سب کچھ پیچھے چھوڑ کے آیا ہے' سب بھلا آیا ہے' اپنے میلے دل کو دھو آیا ہے۔

"گھر پہ کوئی نہیں ہے۔" وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے کسی اجنبی سے پوچھ رہا ہو۔

"میرے سوا کوئی بھی نہیں ہے" آپ بتائیے! آپ کو کس سے ملنا ہے؟" زرنگاہ کا لہجہ لرز گیا تھا۔

"ایس پی قاسم علی کی بیوی سے ملنا ہے مجھے۔" وہ کہتے ہوئے اندر آ گیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔ زرنگاہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں آپ؟" زرنگاہ کا دل اندرونی خوشی کے باعث جیسے بند ہو رہا تھا۔

"کچھ کہنا تھا ان سے۔" وہ دو قدم اور آگے بڑھا تھا۔

"کہیے؟ ایس پی قاسم علی کی بیوی سن رہی ہے۔" وہ دو قدم اور پیچھے ہٹی تھی۔

"کچھ زیادہ نہیں کہنا۔ صرف اتنا کہنا ہے کہ..." وہ کہتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے ٹھہرا تھا۔

"کہ...؟" وہ سننے کو بے تاب ہوئی تھی۔

"کہ میں شرمندہ ہوں۔" قاسم علی نے اسی کے الفاظ دہرائے تھے۔

"کیا آپ کا یہ چھوٹا سا لفظ' یہ ذرا سا شرمندگی کا اظہار میری اذیت کا ازالہ کر سکتا ہے؟" اس کی آواز بھیگ گئی۔ وہ اپنے رخساروں پہ بہنے والے آنسوؤں کو چھپانے کی غرض سے رخ موڑ گئی۔

قاسم علی نے اپنے اور اس کے درمیان موجود دو قدم کا فاصلہ مٹاتے ہوئے کہا۔

"لیکن میری محبت کا اظہار تو آپ کی اذیت کا ازالہ کر سکتا ہے نا؟"

قاسم علی کی آواز اس کے کان کے بے حد قریب سنائی دی۔ اس کی گرم سانسیں زرنگاہ کی گردن کو آنچ دینے لگی تھیں۔

"آپ کو کیا پتا کہ محبت کیا ہوتی ہے؟" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

"ہاں واقعی! پہلے مجھے بھی نہیں پتا تھا کہ محبت کیا ہوتی ہے؟ لیکن قاسم کی جان! ان آٹھ دنوں میں محبت نے ناک میں دم کر دیا ہے۔ اتنا مجبور اور بے بس کر دیا کہ آج خود ہی بن بلائے مہمان کی طرح اپنے آفس سے اٹھ کر سیدھا یہاں آ گیا ہوں۔" اس نے گمبھیر آواز میں کہا۔

زرنگاہ کی جان مٹھی میں آ گئی تھی۔ وہ آج کون کون سی قیامتیں ڈھا رہا تھا اس پہ' اس نے آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھا' لیکن وہ اسے والہانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز میں بے پناہ وارفتگی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہیں؟" قاسم علی نے اسے کلائی سے پکڑ کر اپنی سمت کھینچا تھا۔

"آ... آپ... قاسم علی ہیں نا؟" وہ اس کی گستاخی پہ بوکھلا گئی تھی۔ قاسم علی یکدم قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

"آپ کا وہم اس طرح ختم نہیں ہو گا۔ دیکھیں اب یقین آئے گا۔" قاسم علی نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیے تھے اور اپنی بے خودی میں وہ دونوں ہی یہ نہیں دیکھ پائے تھے کہ اس کا صاف ستھرا یونیفارم زرنگاہ کے ہاتھوں پہ لگے آٹے کے سفید داغوں سے خراب ہو چکا ہے' ہمسی جلی ہوئی روٹی کی بو پورے گھر میں پھیلی تھی۔ قاسم علی کے سینے سے لگی زرنگاہ تڑپ کے پیچھے ہٹی تھی۔

"او میرے خدایا! روٹی جل گئی۔" وہ سر پہ ہاتھ مارتی ہوئی باورچی خانے کی سمت لپکی لیکن قاسم علی نے اسے کھینچ لیا تھا۔

"اتنے سال ہم جلے ہیں' آج روٹی جل جائے تو کیا فرق پڑتا ہے؟" اس نے زرنگاہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"لیکن قاسم وہ روٹی..." زرنگاہ کا لہجہ لرز گیا۔

"آج میں ان ہونٹوں سے کوئی اور لفظ نہیں 'صرف قاسم سننا چاہتا ہوں' آپ جتنی بار پکاریں گی' میری رگوں میں دوڑتا خون سیروں اور بڑھے گا۔"

دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔ وہ یکدم اس سے الگ ہوئی اور پھر باورچی خانے میں چلی گئی۔ قاسم علی نے پلٹ کر دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم!" دادا صاحب اسے دیکھ کر بری طرح چونک گئے۔

"قاسم علی! تم یہاں؟" انہوں نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے حیرانی کا اظہار کیا تھا۔

"جی۔ وہ دراصل اتنے دنوں سے مجھے فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔ آج تھوڑا فارغ ہوا تو سیدھا یہیں آ گیا۔" وہ ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں رکھی چارپائی پہ آ بیٹھا تھا۔ اندھیرا گہرا ہو رہا تھا اور ماحول میں خنکی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"اوہ! اچھا اچھا تو تمہیں فرصت نہیں تھی؟" وہ بھی پاؤں سمیٹ کر اپنے بستر میں گھس گئے تھے۔

"جی!" اس نے آہستگی سے کہا۔

"چلو! شکر ہے کہ تمہیں فرصت تو مل گئی نا۔ میں تو یہاں آنے سے پہلے ہی دلہن کو کہہ رہا تھا کہ تم گاؤں چلو قاسم علی آئے گا' ضرور آئے گا' اسے ذرا تنہائی ملی تو اسے فرصت بھی مل جائے گی اور دیکھ لو! جیسے ہی دلہن نے اور ہم نے تمہیں تنہائی دی' تمہیں فرصت مل گئی۔" دادا صاحب اپنے اندازے اور تجربے پہ خوش ہو رہے تھے کیونکہ وہ کامیاب ہوئے تھے۔

"ہوں! آپ جو بھی کہتے ہیں' ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ یہ بھی ٹھیک ہی کہا تھا آپ نے۔" قاسم علی نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے سر جھکا لیا تھا مبادا وہ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ نہ دیکھ لیں۔

"کیونکہ ہم تمہاری رگ رگ سے واقف ہیں۔ پہلے ہماری بات سے انکار کرتے ہو' پھر مان جاتے ہو۔" وہ مسکرائے۔

"اسی لیے آپ میری عادتوں کو کیش کرتے ہیں۔" وہ ہنسا۔

"کرنا چاہیے بیٹا جی! ہم نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟" دادا صاحب دل کھول کے ہنسے تھے۔ اتنے میں دادی صاحبہ بھی آگئی تھیں۔ انہوں نے اپنی بڑی سی چادر اتار کر رکھتے ہوئے قاسم علی کو حیرت سے دیکھا۔

"ارے قاسم علی! تم۔۔۔؟" وہ حیرت اور خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی تھیں۔

"السلام علیکم دادی صاحبہ!" وہ انہیں دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"وعلیکم السلام! آج ہم غریبوں کی یاد کیسے آگئی؟" دادی صاحبہ نے شکوہ کیا۔ قاسم علی کی نظر کمرے میں داخل ہوتی زرنگاہ پہ ٹھہر گئی۔

"میں نے سوچا غریبوں کی حق تلفی نہ کروں' کیونکہ میں اپنے آپ کو کمزور ایمان والا نہیں کہلوانا چاہتا تھا' سو سب کے حق ادا کرنے اور حقوق پورے کرنے کے لیے آگیا ہوں۔" اس نے زرنگاہ کو جتایا تھا۔ وہ پہلے ہی شرم کے باعث نظریں چرائے ہوئے تھی۔

"ماشاءاللہ' ماشاءاللہ' آئے کب ہو؟" دادی صاحبہ اس کے برابر ہی بیٹھ گئیں۔

"کافی دیر سے آیا ہوا ہوں۔ پہلے قبرستان گیا تھا۔ اماں ابا کی قبر پہ فاتحہ پڑھی ہے' پھر یہاں آیا ہوں۔ اتنے سالوں بعد اپنا گاؤں دیکھا ہے' اپنی گلیاں دیکھی ہیں' کافی کچھ بدل گیا ہے۔"

"تم بھی تو بدل گئے ہو ناں؟" دادا صاحب آج خوش دکھائی دے رہے تھے' اسی لیے بار بار ہنس رہے تھے۔

"ہاں جی! بدل گیا ہوں' کیا کوئی پرابلم ہے آپ کو؟" قاسم علی نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

"نہیں نہیں' ہمیں کوئی پرابلم نہیں ہے۔ بس یہ کہنا ہے کہ اگر بدل گئے ہو تو ٹھیک ہے' لیکن عزت کا سوال ہے' آخر ایک ایس پی ہو تم' اپنی وردی صاف ستھری رکھا کرو۔ آٹے کے داغ لے کر پولیس اسٹیشن جاؤ گے تو عملے پہ کیا اثر پڑے گا؟ کچھ لوگ تو یہ بھی سمجھیں گے کہ شاید دلہن تم سے روٹیاں بنواتی ہے۔"

دادا صاحب کی اس اچانک چوٹ پہ قاسم علی نے جہاں چونک کر اپنی شرٹ کی سمت دیکھا تھا' وہیں زرنگاہ شرم سے پانی پانی ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ خود بخود جھک گیا تھا اور ایسی ہی کچھ خفت قاسم علی کو بھی ہوئی تھی۔

"ہم لوگ جب گئے تھے تو احتیاطاً" تمہارے کچھ کپڑے لے آئے تھے' دلہن نے استری کر کے رکھے ہوئے ہیں' جا کر پہن لو' پھر کھانا کھاتے ہیں۔" انہوں نے ساتھ ہی اسے مشورے سے نوازا تھا اور قاسم علی فوراً" اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"جی! ابھی آتا ہوں۔" وہ کہہ کے وہاں سے نکل آیا۔ دادی صاحبہ نے زرنگاہ کو بھی اس کے پیچھے بھیج دیا تھا کہ وہ اسے کپڑے نکال دے۔ وہ دھیمے دھیمے قدم اٹھاتی اس کے پیچھے آئی تھی۔ قاسم علی کمرے کے وسط میں کھڑا اپنے کمرے کو چاروں اطراف سے دیکھ رہا تھا۔ اتنے سالوں بعد اپنا کمرا دیکھا تھا تو قدم تھم گئے تھے' زرنگاہ نے کمرے کو کافی چمکا رکھا تھا۔ تھوڑی بہت سجاوٹ بھی کر دی گئی تھی۔

"آپ! شرٹ اتار دیں' میں دھو کر خشک کر دیتی ہوں' استری سے جلدی خشک ہو جائے گی۔" زرنگاہ نے اسے آہستگی سے متوجہ کیا تھا۔ قاسم علی نے یکدم پیچھے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"اس پہ بھی آپ کہیں گی کہ آپ شرمندہ ہیں؟" قاسم علی مسکرایا۔

"نہیں! اس پہ شرمندہ نہیں ہوں' کیونکہ یہ میرا حق ہے۔" اس نے قاسم علی کی شرٹ پہ ہاتھ پھیرا۔ سرمئی شرٹ پہ سفید داغ نمایاں نظر آ رہے تھے اور یہ داغ قاسم علی کی شرٹ کے پیچھے بھی تھے اور سامنے سینے پہ بھی تھے۔

"تو پھر اس حق کو مٹانا اور چھپانا کیوں چاہتی ہیں آپ؟" اس نے اپنی کیپ اٹھا کر زرنگاہ کو پہنا دی۔ وہ جھینپ گئی۔

"تاکہ کوئی ان کی وجہ سے آپ کا مذاق نہ اڑائے' آپ کی شخصیت کا وقار ہے' آپ کی عزت میری عزت ہے۔"

زرنگاہ کے لہجے میں آج اپنے اس رشتے کا مان اور استحقاق بول رہا تھا۔ قاسم علی کو اس کے ہونٹوں اور رخساروں پہ پھیلے خوشی کے رنگ دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی۔

"اسی بات پہ ایک سیلوٹ ہونا چاہیے آپ کے لیے۔"

وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی الماری کی سمت بڑھ گئی اور اس کے لیے کپڑے نکالنے لگی' لیکن قاسم علی کا والہانہ پن پھر بھی عروج پہ ہی تھا۔ زرنگاہ بمشکل جان چھڑا کے باہر آئی تھی کیونکہ دادا' دادی انتظار کر رہے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد بھی بہت دیر تک وہ دونوں دادا صاحب اور دادی صاحبہ کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے اور انہی باتوں کے دوران یہ طے پایا تھا کہ دادا صاحب زرنگاہ کی حویلی کی حفاظت اور نگرانی کریں گے اور دن کے وقت بچوں کو وہیں سبق دیا کریں گے۔ اس تجربے پہ دادا صاحب اتنے خوش نہیں تھے۔ لیکن زرنگاہ کے لیے انہیں یاسنا ہی پڑا تھا اور وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ اس طرح اسے یقین تھا کہ حویلی میں رونق رہتی' کیونکہ وہ حویلی کو بند نہیں کرنا چاہتی تھی' آباد رکھنا چاہتی تھی اور اس کے لیے اس نے ملازموں کو بھی نہیں نکالا تھا' بلکہ ان کی تنخواہیں مقرر کر دی تھیں اور اپنی جائیداد سے کافی سارا حصہ غریبوں میں بھی تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔

"جزاک اللہ بیٹا! جزاک اللہ۔ اوپر والا اجر دے گا۔" انہوں نے زرنگاہ کا سر تھپکا۔

"ان شاء اللہ۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"اچھا دادا صاحب! مجھے اب اجازت دیجئے' دن بھر کا تھکا ہوا ہوں' اب نیند آ رہی ہے۔" ان سے اجازت لیتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"ہوں! کافی ٹائم ہو رہا ہے' جاؤ جا کر آرام کرو۔" انہوں نے اجازت دی۔ اور خود بھی لیٹ گئے۔ شب بخیر وہ کہتا ہوا چلا گیا۔ زرنگاہ بھی اٹھ گئی۔ اس نے چائے والے خالی برتن اٹھا کر باورچی خانے میں رکھے۔ سارا پھیلاوا سمیٹا اور دس پندرہ منٹ یونہی فضول سے کاموں میں ضائع کر دیے تھے۔ آج اسے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے بہت شرم آ رہی تھی' بہت عجیب لگ رہا تھا۔

باورچی خانے کا دروازہ بند کر کے قدم کمرے کی سمت بڑھا دیے۔ اس کا ایک ایک قدم من من بھر کا ہو رہا تھا۔ دل نے الگ سینے کے پنجرے میں اودھم مچا رکھی تھی۔ سو دھڑک دھڑک کر دیوانہ ہو چکا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے دروازے پہ دباؤ ڈالا تھا اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔

لمحہ بہ لمحہ بھیگتی رات ان کے لیے امر ہو رہی تھی۔ ان کی خوشی کی یہ گھڑیاں ان کے لیے زندگی بھر کا سرمایہ تھیں۔ صبر دونوں نے کیا تھا' اور اجر دونوں نے ہی پایا تھا' کیونکہ اوپر والا عادل تھا' انصاف پسند' کسی ایک کا دوسرے کی طرف ادھار یا بدلہ نہیں رہنے دیتا تھا۔ سب کچھ برابر کر دیتا تھا' کیونکہ یہی اس کے اصول تھے' اور یہی اس کا انصاف تھا۔

☆